اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | شوال ۱۴۴۴ھ | مئی ۲۰۲۳ء | شمارہ ۵

السّلام التحقیق

ثمرہ کمالِ اسلام (قسط اول)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۵۰ روپے زرسالانہ = /۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

السَّلام لتحقیق

(ثمرہ کمالِ اسلام) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ مدرسہ سروٹ ضلع مظفر نگر میں ۱۲ شوال ۱۳۴۰ ہجری ۹ جون ۱۸۲۲ء کو ''ثمرات اسلام کامل'' کے موضوع پر تخت کے اوپر ایک کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ وعظ صبح ۶ بج کر ۳۹ منٹ پر شروع اور ۹ بج کر ۳۳ منٹ پر ختم ہوا۔ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ (مقیم میرٹھ محلہ کرم علی) نے اسے قلمبند کیا جبکہ سامعین کی تعداد ۲۵۰ تھی۔ اس سے قبل ایک وعظ میں حضرت نے اسلام کی حقیقت بیان کر کے اسلام حقیقی کی ترغیب دی تھی اور مفصل کلام کیا تھا۔ مناسب معلوم ہوا کہ اسلام کے بیان کے ساتھ اس کے ثمرہ کا بھی بیان کر دیا جائے تاکہ سننے والوں کو رغبت ہو۔ اس وعظ میں تفصیل سے ثمرات اسلام کو بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۴

18-4-2023

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	ثمرہ کا بیان موجب ترغیب ہے..........	۸
۲..........	آیات قرآن میں ربط ہے..........	۹
۳..........	مسلمان ہونے کا ثمرہ..........	۹
۴..........	ثمرات کا اصل مقصود..........	۱۰
۵..........	مختلف ثمرات آخرت پر ایک اشکال کا جواب..........	۱۲
۶..........	دنیا کو آخرت کے ساتھ کیا نسبت ہے..........	۱۲
۷..........	شراب طہور کی صفت..........	۱۵
۸..........	اشیاء جنت کی حقیقت..........	۱۵
۹..........	حور کی صفت..........	۱۷
۱۰..........	تاریخی قلمی کتاب..........	۱۸
۱۱..........	تصاویر بنانے میں ممانعت شرعی..........	۱۹
۱۲..........	تصاویر کے ساتھ فقہ کی کتاب..........	۱۹
۱۳..........	حب مال کا انجام..........	۲۰
۱۴..........	حور کی صفت..........	۲۰
۱۵..........	دنیا کی کوئی نعمت کلفت سے خالی نہیں..........	۲۲
۱۶..........	خدائے عزیز وعلیم کی قدرت..........	۲۳
۱۷..........	اٹک کر مرنے کی حکایت..........	۲۴
۱۸..........	بھوکوں کو ہیضہ کے تمنا کرنے کی حکایت..........	۲۵
۱۹..........	پانی کے متعلق کلفتیں..........	۲۶
۲۰..........	بی بی کے ساتھ کلفتیں..........	۲۶
۲۱..........	اولاد کی کلفتیں..........	۲۸

۲۲..........	حکایت..	۲۹
۲۳..........	دنیا کی دو حالتیں......................................	۳۰
۲۴..........	جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی............................	۳۰
۲۵..........	آخرت کی دو حالتیں......................................	۳۱
۲۶..........	اہل ایمان دوزخ میں امیدوار نجات ہوں گے..........	۳۲
۲۷..........	اہل دوزخ میں باہم بھی عداوت ہوگی....................	۳۳
۲۸..........	جنت میں نیند نہیں ہے..	۳۴
۲۹..........	نیند کوئی مقصود بالذات چیز نہیں..............................	۳۵
۳۰..........	زیادہ سونے والوں کی حکایت..............................	۳۵
۳۱..........	جنت میں نیند کی خواہش نہیں ہوگی........................	۳۶
۳۲..........	ایک لطیفہ..	۳۷
۳۳..........	اسلام کے دو ثمرات..	۳۹
۳۴..........	دارالسلام کی عجیب وغریب تفسیر............................	۴۰
۳۵..........	دارالسلام کا مفہوم..	۴۲
۳۶..........	دنیا کا گھر محض سرائے ہے..................................	۴۳
۳۷..........	دنیا میں دل لگانے کی عجیب مثال..........................	۴۳
۳۸..........	اہل اللہ کا تقویٰ طہارت......................................	۴۴
۳۹..........	اہل اللہ کی باریک بینی سے متعلق حکایات................	۴۵
۴۰..........	اللہ والے ہمیشہ حلم سے کام لیتے ہیں....................	۴۶
۴۱..........	آج کل لوگوں کے اخلاق اور تواضع........................	۴۷
۴۲..........	اخبار الجامعہ..	۴۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک و سلم **امابعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهۡدِيَهُۥ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِۖ وَمَن يُرِدۡ أَن يُضِلَّهُۥ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي ٱلسَّمَآءِۚ كَذَٰلِكَ يَجۡعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيمًاۗ قَدۡ فَصَّلۡنَا ٱلۡأٓيَٰتِ لِقَوۡمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمۡ دَارُ ٱلسَّلَٰمِ عِندَ رَبِّهِمۡۖ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ﴿١٢٧﴾ [۱] یہ آیتیں جن کی تلاوت کی گئی ہے اس وقت ان میں سے اخیر آیت کا بیان مقصود ہے۔ اول کی آیتیں محض [۲] ربط کے واسطے پڑھی گئی ہیں کیونکہ ان کو مقصود کی توضیح اور تعیین [۳] میں دخل تھا۔ پرسوں کے بیان میں اسلام کی حقیقت اور اسلام حقیقی کی ترغیب دی گئی تھی اور اس کے متعلق مفصل [۴] کلام کیا گیا تھا۔

---

(۱) ''سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان پر چھڑنا چاھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔ اور یہی تیرے رب کا سیدھا رستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیات کو صاف صاف بیان کر دیا۔ ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس اور وہ ان کا دوست ہے اُس وجہ سے جو وہ اعمال کرتے تھے'' سورۃ الانعام: ۱۲۵ تا ۱۲۷ (۲) صرف (۳) مقصد کے متعین کرنے اور وضاحت کرنے میں دخل ہے (۴) تفصیلی گفتگو ہوئی تھی۔

ثمرہ کا بیان موجب[1] ترغیب ہے

ایک ذریعہ ترغیب کا یہ بھی ہوتا ہے کہ مقصود کا ثمرہ[2] بیان کیا جاوے۔ اس کے سننے سے اور اطلاع ہونے سے رغبت پیدا ہوتی ہے اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ جہاں اسلام کا بیان کیا گیا وہاں اس کا ثمرہ بھی بیان ہوتا کہ رغبت اسلام حقیقی کی پیدا ہواور اس آیت میں وہ ثمرہ مذکور ہے اس واسطے اس آیت کو بیان کے لیے اختیار کیا گیا اور وہ ثمرہ اخیر کی آیت میں ہے تو مقصود بالذات[3] وہ ہی اخیر کی آیت ہوئی اور پہلی دو آیتیں اس واسطے تلاوت کی گئیں کہ معلوم ہو کہ اس اخیر آیت میں جو ثمرہ مذکور ہے وہ اسلام کا ہی ہے۔ پہلی آیت میں تو اسلام کا لفظ ہی موجود ہے اور دوسری آیت میں اسلام کا لقب صراط مستقیم ہے اور تیسری یہ اخیر کی آیت ہے جو اس وقت مقصود بالبیان[4] ہے اس میں ثمرہ مذکور ہے۔ پہلی آیت یہ ہے ''فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهۡدِيَهُۥ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِۖ ''[5] اس میں صریح لفظ اسلام موجود ہے اور دوسری آیت یہ ہے وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيمٗا[6] ہذا اسم اشارہ ہے اس کے لیے مشار الیہ چاہیے وہ مشار الیہ یہاں سوائے اسلام کے کچھ نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو اسلام ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ ایک جگہ اس کو اسلام کہا گیا دوسری جگہ صراط مستقیم اسلام اس کا اسم ہے اور صراط مستقیم لقب تو اسم بھی مذکور ہوا اور لقب بھی۔ دو آیتوں میں تو یہ ہوا اور بعد میں تیسری آیت میں تفریع کے طور پر نتیجہ بیان کیا گیا۔ وہ تیسری آیت یہ ہے۔ لَهُمۡ دَارُ ٱلسَّلَٰمِ عِندَ رَبِّهِمۡۖ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ[7] اس میں ضمیریں جمع کی ہیں جو راجع ہیں من کی طرف من گو لغۃً[8] مفرد ہے مگر معناً جمع لہٰذا جمع کی ضمیر اس کی طرف پھیرنا جائز ہے جیسا کہ نحو جاننے والے سمجھتے ہوں گے۔ حاصل آیت کا یہ ہوا

---

(۱) ترغیب کا باعث ہے (۲) نتیجہ (۳) اسی آیت کی تفصیل بیان کرنا مقصد ہے (۴) جس کے بیان کا ارادہ ہے۔ (۵) ''بس جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں'' (۶) ''اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے'' (۷) الاعراف: ۱۲۷ ''ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے'' (۸) لغت کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

کہ جس کو ہدایت کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس کو اسلام کے متعلق شرح صدر دے دیتے ہیں اور دوسرے جملہ میں اس کا مقابل مذکور ہے کہ جس کو گمراہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتے ہیں کہ اسلام کے متعلق اس کو اطمینان نہیں ہوتا اور اس حالت کو رجس (۱) فرمایا اور اسلام کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ ہے اور اس سب کے بعد نتیجہ بیان فرمایا ''لھم دار السلام'' یعنی جو لوگ اس ''من'' کے مصداق ہیں یعنی جن کے ساتھ حق تعالیٰ کا ارادہ اچھا ہے اور ان کو ہدایت کی گئی ہے ان کے واسطے دار السلام ہے، مجھے اس وقت مقصود اسی نتیجہ کا بیان کرنا ہے۔

آیات قرآنیہ میں ربط ہے

اور باقی آیتوں کا ترجمہ اور جو کچھ بیان ہوا وہ ارتباط عبارت (۲) کے لیے تمہید تھی مقصود میں اس کو کچھ زیادہ دخل نہیں اسی واسطے اس تمہید کا عنوان طالب علمانہ بیان ہوا جو غالباً عام فہم نہ ہوگا۔ اس تمہید کی ضرورت یہ ہے کہ آگے چل کر مقصود کی توضیح اچھی طرح ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ قرآن شریف میں تناسق اور ارتباط (۳) ہے اور یہ بہت ظاہر ہے گو وہ ارتباط (۴) ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتا اور بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیتوں میں باہم ربط نہیں ہے ابھی ایک آیت میں کچھ بیان ہے اور ابھی دوسری میں کچھ بیان ہونے لگا۔ یہ خیال غلط ہے، قرآن کی آیات اور الفاظ میں ایسا ربط (۵) ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہو سکتا کیسے نہ ہو قرآن تمام کتابوں اور کلاموں پر بلاغت میں فوقیت رکھتا ہے اور کلام میں یہ بڑا عیب ہوتا ہے کہ بے جوڑ ہو، ایک معمولی کلام میں بھی یہ عیب نہ ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ قرآن جیسے ابلغ الکلام (۶) میں اس ارتباط ہی کے بیان کے لیے اوپر کی آیتیں پڑھی گئیں۔

مسلمان ہونے کا ثمرہ

اب اصل مقصود بیان کیا جاتا ہے اور وہ ثمرہ ہے اسلام کا۔ وہ ثمرہ کیا ہے ''لَهُمْ

(۱) گندگی (۲) عبارت کے رابط کے لیے بطور تمہید بیان کیا گیا (۳) یکسانیت اور باہمی ربط ہے (۴) اگرچہ وہ ربط (۵) باہم ایسی مربوط ہیں کہ ایسا دوسرا کوئی کلام نہیں (۶) سب سے بلیغ کلام میں۔

دَارُ ٱلسَّلَٰمِ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ‘‘(۱) میں اول ترجمہ کیے دیتا ہوں جس سے اجمالاً مقصود معلوم ہوجاوے گا۔ ترجمہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کے لیے سلامتی کا گھر ہے خدائے تعالیٰ کے پاس ایک ثمرہ تو یہ ہوا اور دوسرا ثمرہ دوسرے جملہ میں اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یا یوں کہا جاوے کہ ایک نہیں ہے مگر دونوں متلازم (۲) ہیں اور وہ یہ ہے ’’وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ‘‘ یعنی حق تعالیٰ کو ان سے علاقہ محبت کا ہے۔ ان اعمال کی وجہ سے جن کو وہ کیا کرتے تھے دنیا میں، یہ ترجمہ ہوا۔ اس میں دو بشارتیں ہیں اسلام والوں کے لیے ایک سلامتی کا گھر ملنا اور ایک یہ کہ اللہ جلّ جلالہ کو ان سے علاقہ محبت کا ہے۔

ثمرات کا اصل مقصود

غور سے دیکھا جاوے تو ان دونوں ثمروں کا حاصل ایک ہی ہے کیونکہ مقصود کا حاصل دو امر ہوتے ہیں۔ ایک مضرات (۳) سے بچنا اور دوسرا منافع (۴) کا حاصل ہونا۔ چنانچہ ساری دنیا کی کوششیں کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جاوے اور راحت کو حاصل کیا جاوے۔ ہر کام میں یہی قاعدہ ہے، تجارت میں زراعت میں، نوکری میں، سب میں دو باتیں حاصل کی جاتی ہیں، تجارت میں آدمی یہ ہی چاہتا ہے کہ مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ رأس المال (۵) محفوظ رہے اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو، یہ مضرت (۶) سے بچنا ہوا اور اس کے محفوظ رہنے کے ساتھ کچھ مال بڑھ جاوے، یہ منفعت (۷) کا حاصل ہونا ہوا۔ علیٰ ہذا زراعت میں بھی یہ ہی دو باتیں دیکھی جاتی ہیں، بیج ڈالا جاتا ہے اس غرض سے کہ اتنا یہ ہم کو لوٹ کر مل جاوے یہ تلف نہ ہوجاوے یہ دفع مضرت ہے اور اس تخم (۸) کے ساتھ کچھ اور بھی پیدا ہوجاوے یہ حصول منفعت ہے۔ ایسے ہی نوکری میں ہے کہ یہی کوشش کی جاتی ہے کہ کچھ آمدنی ہو اور تنگدستی کی تکالیف دور ہوں یہ دفع مضرت ہے اور عیش و آرام سے بسر ہو یہ حصول منفعت ہے۔ غرض جس کام میں بھی آپ غور کریں گے تو مقصود کا حاصل یہی دو امر

(۱) الانعام: ۱۲۷ (۲) ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں (۳) نقصان دہ چیزوں سے بچنا (۴) مفید کا حاصل کرنا (۵) اصل سرمایہ (۶) نقصان سے (۷) فائدے کا حصول (۸) بیج۔

ملیں گے دفع مضرت اور حصول منفعت[۱] بنا بریں اسلام کا حاصل بھی یہی دو امر ہوں گے دفع مضرت اور حصول راحت ان دونوں کو ایک بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح کہ مقصود کے دونوں جز ہیں، دونوں مل کر مقصود پورا ہوتا ہے اور ان کو دو بھی کہا جائے تو صحیح ہے کیونکہ دو چیزیں تو ہیں ہی مگر قصد میں دونوں متلازم[۲] ہیں اس وجہ سے کہ دونوں کا قصد کیا جاتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ ایک کا قصد کیا جائے اور ایک کا نہ کیا جائے، غرض ایک کہو دونوں کو یا دو کہو اور دونوں کو متلازم کہو یہ ہی ثمرے ہوتے ہیں ہر کام کے چنانچہ اسلام کے ثمرے بھی یہی دو ہیں۔ دفع مضرت اور حصول راحت لفظ سلام میں اشارہ ہے اول کی طرف یعنی ان سے تمام تکالیف دور ہوجائیں گی اور لفظ ''وھو ولیھم'' میں اشارہ ہے دوسرے کی طرف یعنی ان کو راحت حاصل ہوگی۔ یہ حاصل ہے دونوں ثمروں کا۔ اس سے وجہ معلوم ہوگئی دونوں آیتوں کے پڑھنے کی۔ وہ وجہ یہ ہے کہ دونوں میں اسلام کے ثمرے مذکور ہیں اور اسی کا بیان اس وقت مقصود ہے۔ پہلے بیان میں اسلام کامل کی حقیقت بتلائی گئی تھی اور آج اسلام کامل کا ثمرہ بتایا جائے گا اس ثمرہ کا بیان آیت میں اس طرح سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمرہ علی وجہ الکمال[۳] حاصل ہوگا۔ دفع مضرت ہوگا تو اس طرح کوئی مضرت باقی نہ رہے گی اور حصول راحت ہوگا تو وہ بھی اس طرح کہ کوئی راحت چھوٹ نہ جائے گی۔ اس آیت میں ایسے الفاظ اور قرائن موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمرہ کامل حاصل ہوگا۔ مثلاً یہ کہ دو ثمرے حق تعالیٰ نے بیان فرمائے اور یہ دو ثمرے ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی ثمرہ ہو ہی نہیں سکتا کسی کام کا اس واسطے کہ دو ہی چیزیں مقصود ہوتی ہیں۔ دفع مضرت اور حصول راحت[۴] اور ان دونوں کا اس میں ذکر ہے اور ان کے سوا اور کوئی ثمرہ ہوتا نہیں تو حاصل یہی تو ہوا کہ پورا ثمرہ ملے گا اور کوئی ثمرہ ایسا نہ رہے گا جو نہ ملے کیونکہ ثمرہ کے دو ہی فرد ہیں اور دونوں حاصل ہوئے تو اور کیا باقی رہا اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کی نسبت کہا جائے کہ اس کے پاس سونا بھی ہے اور چاندی بھی ہے اور قیمتی مال کے فرد یہی دو ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ

(۱) نقصان سے بچنا اور فائدہ حاصل کرنا (۲) ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم (۳) مکمل طور پر (۴) نقصان سے بچنا اور راحت حاصل کرنا۔

اس کے پاس ہر قسم کا مال موجود ہے اور کوئی فرد مال کا ایسا نہیں رہا جو اس کے پاس نہ ہو۔ علیٰ ہذا جب ثمرہ کے فرد یہی دو ہیں اور دونوں کے حصول کو ظاہر کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ کوئی ثمرہ ایسا نہیں رہا جو ان کو حاصل نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ جس کو اسلام حاصل ہے اس کو ایسے ثمرات آخرت میں ملیں گے کہ کوئی ثمرہ ان سے باہر نہ ہوگا اور واقعی آخرت ایسی ہی جگہ ہے جہاں کسی بات کی کمی نہیں۔ بس خدا تعالیٰ اسلام نصیب فرماویں اور اس پر خاتمہ کر دیں پھر وہاں کسی بات کی کمی نہیں۔

مختلف ثمرات آخرت پر ایک اشکال کا جواب

اب یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ دعویٰ کیا گیا کہ آخرت میں اہل اسلام کو ثمرات کامل عطا ہوں گے کوئی مضرت[1] باقی نہ رہے گی اور کوئی راحت نہ چھوٹے گی اور یہ بات مسلم ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے درجات بھی مختلف ہوں گے کوئی اعلیٰ درجہ کا جنتی ہوگا اور کوئی کم درجہ کا۔ تو اگر یہ بات ہے کہ وہاں کے ثمرات میں کسی قسم کا نقصان نہیں تو لازم آئے گا کہ کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہ ہو بلکہ سب کے درجات کامل ہی ہوں حالانکہ فرق مراتب ہوگا اور فرق مراتب کے معنی سوائے اس کے کیا ہیں کہ ایک کے پاس دوسرے سے کوئی شے زائد ہے اور ایک کے پاس کم جس کے پاس کم ہے اس کا ثمرہ ناقص ہوا یہ اشکال ہے۔

دنیا کو آخرت کے ساتھ کیا نسبت ہے

اس کا جواب سنئے۔ پہلے ایک مقدمہ سن لیجئے وہ یہ کہ دو عالم ہیں دنیا اور آخرت، ان دنوں میں نسبت کیا ہے؟ حدیث میں ان کی نسبت ایک مثال کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک انگلی سمندر میں ڈالی جائے تو اس میں کچھ پانی سمندر کا لگ جائے گا جو نسبت اس انگلی میں لگ جانے والے پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ ہے یہی نسبت دنیا کو آخرت کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ کیا نسبت ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے اگر اس کا حساب لگاویں تو سینکڑوں برس چاہئیں۔

(۱) پریشانی

مثلاً وہ پانی ایک رتی بھر ہے تو سمندر کے پانی میں سے رتی رتی بھر الگ کیا جائے تب دونوں کی نسبت معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے عمر نوح بھی کافی نہیں ہوسکتی، اللہ اکبر سمندر کس قدر بڑی چیز ہے کہ اس نے تمام عالم کو گھیر رکھا ہے دریا کے سفر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خشکی کا حصہ بہت کم ہے اور تری کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ پیمائش کرنے والوں نے ثابت کیا ہے کہ تین حصے دنیا کو سمندر نے گھیر رکھا ہے اور ایک حصہ خشکی ہے یہ تو پھیلاؤ ہے پھر گہرائی اس قدر کہ اکثر جگہ کئی کئی میل ہے تو اتنے بڑے پانی کو خیال کیجئے اس میں سے اگر ایک ایک رتی الگ کی جاوے تو صدہا برس چاہئیں۔ آپ نے اندازہ کرلیا کہ اس انگلی میں لگے ہوئے پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ تو فرماتے ہیں یہی نسبت ہے دنیا کو آخرت کے ساتھ اور یہ مثال بھی ہمارے سمجھنا کے واسطے ہے ورنہ حقیقت میں صرف تخمینی ہے اور دنیا کو آخرت کے ساتھ یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ انگلی میں لگا ہوا پانی کو کتنا ہی قلیل اور لاشے ہے اور سمندر کے پانی کے سامنے کالعدم ہے مگر پھر بھی سمندر کا پانی اور یہ پانی ہیں تو دونوں متناہی (۱) اگر کوئی محنت کرے اور رتی رتی بھر پانی کو الگ کرے تو عقل اس بات کو مانتی ہے کہ سمندر کا پانی اس تجزیہ سے کسی نہ کسی دن ختم ضرور ہوجائے گا اور کچھ نہ کچھ نسبت اس پانی کو اس پانی کے ساتھ ضرور نکلے گی چاہے وہ کتنی ہی کم سے کم ہو بخلاف دینا اور آخرت کے کہ ان دونوں میں نسبت متناہی اور لامتناہی کی ہے (۲) کہ دنیا ختم ہوجانے والی ہے اور آخرت کبھی ختم ہوجانے والی نہیں۔ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ دنیا ایک دن ختم ہوجاوے گی البتہ اہل باطل نے کہا کہ دنیا ابدی (۳) ہے مگر اہل حق کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور آخرت اہل حق کے نزدیک ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی ہر چند کہ طویل عرض مکانی آخرت کا بھی متناہی ہے مگر اس کے بظاہر زمانی کی کوئی حد نہیں، نصوص میں اس کی تصریح موجود ہے۔ خلدین فرمایا ہے اور ابداً فرمایا ہے جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہاں فنا نہیں اس کے سوا اور نصوص بالکل صاف صاف اس مضمون کے موجود ہیں غرض کہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے کہ دنیا کے بعد پھر فنا نہیں نہ جنت کو نہ دوزخ کو یہ

(۱) دونوں ہی کی ایک حد تو ہے (۲) ایک کی حد مقرر ہے اور دوسرا لامحدود ہے (۳) ہمیشہ قائم رہے گی۔

مقدمہ ہوا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی کوئی چیز بھی فانی نہیں تو شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ اہل جنت میں فرق مراتب ہوگا مگر ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔ اور غیر فانی ہوگا۔ ادنیٰ اور اعلیٰ میں فرق ہوگا مگر ادنیٰ بھی ایسا ہوگا ''تَشْتَهِيهِ ٱلْأَنفُسُ وَتَلَذُّ ٱلْأَعْيُنُ ''(۱) اس پر صادق ہوگا تو ہر شخص کے لیے ثمرہ کامل ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ ادنیٰ جنتی کو بھی ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہے مگر وہ چاہے گا وہی جو اس کے مرتبہ کے موافق ہو اور اس درجہ میں بھی وہ چیزیں ہوں گی جو اس دنیا اور ہزار دنیا سے بہتر ہوں گی۔ اس اعتبار سے بھی کہ دنیا کی چیزوں سے اور ان سے کچھ نسبت ہی نہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ دنیا کی چیزیں فانی ہیں اور وہ فانی نہیں اور اسی واسطے اس کو خیر اور ابقی (۲) کہا گیا ہے جب یہ ہے تو ان میں باہم فرق ناقص کامل کا نہ ہوگا بلکہ کامل واکمل کا ہوگا۔ پس اشکال کا جواب ہوگیا اور گو آخرت کے دو حصے ہیں ایک تکلیف کا اور ایک راحت کا یعنی جنت اور دوزخ اور دونوں کو نہیں کہہ سکتے پھر خیر وابقی کے کیا معنی سو سمجھے یہاں صرف ایک حصہ کا بیان کرنا ہے یعنی جنت کا اور حق تعالیٰ نے بھی اکثر جگہ لفظ آخرت سے یہی مراد لی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ''وَٱلْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰٓ '' (اور آخرت بہتر اور باقی ہے) لفظ خیر بتلا رہا ہے کہ آخرت سے ایک ہی حصہ یعنی جنت مراد ہے کیونکہ دوسرا حصہ یعنی دوزخ تو خیر ہے ہی نہیں اس طرح بہت جگہ لفظ آخرت آیا ہے اور مراد اس سے صرف جنت ہے اب خیر اور ابقیٰ کے معنی بھی سمجھ لینا مناسب ہے سو یہ بھی خیال کر لینے کی بات ہے کہ آخرت کے لیے ابقیٰ سے مراد تو خلود ہے یعنی کبھی ختم ہی نہ ہوگی اور خیر سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز وہاں کی دنیا کی چیزوں کی بہ نسبت بدرجہا اچھی ہے گو نام وہاں کی چیزوں کے دنیا کے چیزوں کے سے ہیں مگر ان سے ان کو کچھ نسبت ہی نہیں۔ مثلاً آیا ہے ''فَٰكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ '' (۳) یعنی جنت میں میوے ہوں گے اور کھجور کے درخت ہوں گے اور انار ہوں گے اور آیا ہے ''فِيهَآ أَنْهَٰرٌ مِّن مَّآءٍ غَيْرِ ءَاسِنٍ ''(۴) یعنی پانی کی نہریں ہوں گی اور آیا ہے کہ دودھ کی نہریں ہوں گی اور شہد کی نہریں ہوں گی اور شراب کی نہریں ہوں گی نام ان سب چیزوں

(۱) جو دل چاہے گا ملے گا اور آنکھوں کو لذت ملے گی (۲) بہتر اور باقی رہنے والا کہا ہے (۳) رحمٰن: ۶۸ (۴) محمد ۱۵

کے دنیا ہی کی چیزوں کے سے ہیں مگر وہ چیزیں دنیا کی سی نہیں ہیں نہ وہاں کا میوہ دنیا کا سا میوہ ہے اور نہ وہاں کی کھجور دنیا کی سی کھجور ہے اور نہ وہاں کا انار دنیا کا سا انار ہے اور نہ وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی ہے۔ چنانچہ اس کی صفت فرمائی غَيْرِ ءَاسِنٍ یعنی خراب نہ ہونے والا دنیا کا پانی تھوڑے عرصے میں متغیر ہوجاتا ہے اور وہ کبھی متغیر نہ ہوگا اور وہاں کا دودھ دنیا کا سا دودھ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: "وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ"(۱) یعنی اس دودھ کا مزا نہ بدلا ہوگا۔ دنیا کا دودھ باسی ہونے سے بھی خراب ہوجاتا ہے اور وہاں کا دودھ ہزاروں برس گزرنے سے بھی ویسا ہی رہے گا۔

شراب طہور کی صفت

اور نہ وہاں کی شراب دنیا کی سی شراب ہے وہاں کی شراب وہ ہے جس کو دنیا میں کسی نے دیکھا ہی نہیں، دنیا کی شراب ناپاک ہے اور بدمزہ ہے اور وہ شراب بدمزہ نہیں بلکہ لذۃللشاربین (۲) اس کی صفت ہے اور طہور ہے طہور صیغہ مبالغہ کا ہے یعنی بہت پاک کرنے والی کہ سینہ اور روح کو پاک صاف کردے گی دنیا کی شراب نشہ لاتی ہے اور حواس اور عقل کو مُکَدَّر (۳) کرتی ہے اور وہ نشہ نہیں لاتی اور حواس اور عقل کو اور زیادہ صاف کرنے والی ہے حق تعالیٰ نے اس کو صرف طاہر ہی نہیں فرمایا بلکہ طہور فرمایا بمعنی مطہر یعنی دوسری چیز کو بھی پاک کردینے والی اس سے اس کا خود طاہر ہونا بطریق (۴) اولیٰ ثابت ہوگیا کیونکہ جو چیز دوسرے کو پاک کرتی ہے وہ خود ضرور پاک ہوگی غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے سوائے شرکت اسمی کے کچھ نسبت نہیں جن پھلوں کے نام آئے ہیں دنیا میں بھی گو وہ پھل موجود ہیں مگر وہاں کے پھلوں سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے اسی طرح وہاں عورتیں بھی ہیں جن کو حور عین فرمایا گیا ہے ایسی عورتیں اس عالم میں کہیں بھی موجود نہیں۔ غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے کچھ مشابہت نہیں یہ حقیقت ہے خیر کی۔

اشیاء جنت کی حقیقت

یہاں ایک اور مضمون ذہن میں آتا ہے وہ ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی

(۱) محمد:۱۵ (۲) پینے والوں کے لیے لذات کا باعث (۳) خراب (۴) خود پاک ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگیا۔

چیزوں سے اچھا کہنے کے معنی یہ نہیں کہ چیزیں جنت میں وہی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی ہیں جیسے دنیا کی چیزوں میں یہی فرق ہوتا ہے ایک میلا پانی اور ایک صاف ستھرا چھنا ہوا پانی کہ حقیقت دونوں کی ایک ہے صرف وصف میں فرق ہے بلکہ اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جنت کی چیزوں کی حقیقت ہی دوسری ہے اس حقیقت کی چیز دنیا میں موجود ہی نہیں۔ رہا یہ کہ پھر ان کا نام دنیا کی چیزوں کا کیوں ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی عنوان ان سے تعبیر کرنے کا نہیں اگر کوئی عنوان ہے تو یہی ہے جو دنیا کی چیز کا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے کچھ مناسبت اور قرب ہے صورتاً یا کسی معنی کو تو فلاں دنیا کی چیز کو ہے اس لحاظ سے اس کے اوپر اس کا نام اطلاق کر دیا۔ مثلاً انار ایک چیز ہے جو دنیا میں موجود اس کے افراد میں سے بھی وہ فرد لیجئے جو سب سے بڑھیا ہو اور انار جنت میں بھی موجود ہے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں کچھ بھی علاقہ نہیں سوائے اس کے کہ صورتاً ایک کہے جاویں۔ یہ مضمون ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور جنت کی نعمتوں کا صرف نام ہی مشترک ہے ورنہ وہاں اور چیزیں ہیں جن کا خیال بھی نہیں آسکتا بلکہ یہ مضمون حدیث میں ہے وہ یہ ہے ”اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر“(۱) یعنی فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں کی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں موجود نہیں ورنہ کوئی آنکھ تو دیکھتی اور نہ کبھی ہم سے پہلے زمانہ میں دنیا میں پیدا ہوئیں ورنہ ان کا ذکر تو کان سے سنتے بلکہ ان کو یہاں کی چیزوں سے اس قدر مغایرت (۲) ہے کہ خیال بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ وہاں کی چیزیں دنیا سے علیحدہ ہی ہیں وہاں کا انار دنیا کا سا انار نہیں ہے وہاں کی کھجور دنیا کی سی کھجور نہیں ہے وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہاں کے انار کو دنیا کے پھلوں میں سے کسی پھل سے اگر کچھ مشابہت ہے تو انار سے ہے اس واسطے اس

(۱) الجامع الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: ۳۰۷۲ (۲) اتنی مختلف ہیں کہ

کو انار کہا گیا ورنہ وہ ایسی چیز ہے جس کی حقیقت بلا کھائے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ علیٰ ہذا وہاں کے پانی کا نام بھی پانی آیا ہے اس معنی کو کہ اگر کسی چیز سے اس کو مشابہت ہے تو پانی سے ہے اس واسطے اس کو پانی فرمادیا باقی خدا جانے کیا ہے، حقیقت پینے سے ہی معلوم ہوگی آیات میں بعض جگہ یہ مضمون بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے مثلاً وہاں کے برتنوں کی نسبت آیا ہے "کَانَتْ قَوَارِيرَاْ" یعنی وہ برتن شفاف ہوں گے جیسے بلور کے برتن کہ ادھر کی چیز اُدھر سے نظر آئے گی اور اس سے آگے فرمایا ہے "قَوَارِيرَاْ مِن فِضَّةٍ" یعنی وہ شفاف برتن چاندی کے ہوں گے ان کو قواریر بھی فرماتے جاتے ہیں اور فضہ بھی فرماتے جاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ برتن ہوں گے تو چاندی کے مگر شفاف ہوں گے۔ مثل شیشہ کے تو شفاف چیز واقع میں چاندی کہاں ہوئی دنیا میں کونسی چاندی ایسی صاف ہے عمدہ سے عمدہ چاندی اینٹ کی مانی جاتی ہے مگر شفاف وہ بھی نہیں اور وہاں کی چاندی ایسی ہوگی جس میں نظر آر پار ہوجائے گی اس سے یہ ثابت ہوا کہ بس نام چاندی کا ہے اور حقیقت کچھ اور ہے چاندی اس کو اس وجہ سے کہہ دیا ہے کہ دنیا کے اگر کسی جسم سے اس کو مشابہت ہے تو چاندی کے ساتھ ہے۔

حور کی صفت

اور مثلاً وہاں کی عورتیں جو حور کہلاتی ہیں ان کا نام سن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی نوع(۱) سے ہوں گی خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہیں مگر حدیث میں جو ان کی صفات آئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کسی اور ہی نوع سے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر حور عین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج اور چاند ماند ہوجائیں جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہوگا اس کا حسن تو وہم وگمان سے باہر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ان کے حسن کی نسبت آیا ہے یری مخ سوقھن من ورائھن (۲) یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہوگا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر

(۱) قسم (۲) یری مخ سوقھن من وراء العظم واللحم، بخاری: رقم الحدیث: ۳۰۸۱

آئے گا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے کیونکہ حدیث میں آچکی ہے۔ قرآن وحدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا سچی سچی اور سیدھی باتیں بیان ہوتی ہیں حور واقع میں ایسی ہی ہوگی یہ خبر ایسی نہیں ہے جیسے کہ یہاں ہم نے سنا تھا کہ ایک حسین آدمی ایسا ہے کہ جب وہ پان کھاتا ہے تو اس کا رنگ گلے میں اترتا نظر آتا ہے۔ یہ قصہ غلط ہے بھلا دنیا میں ایسا کون ہوسکتا ہے آخر گلے میں اوپر کھال ہے اس کے نیچے گوشت ہے اس کے نیچے نرخرے کی ہڈیاں ہیں ایسی بھی کیا لطافت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حاجب نہ ہو، ایک جلد ہی شاع(۱) نظر کو روکنے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ تین تین چیزیں ہوں۔ غالباً کسی نے مبالغہ سے کام لیا ہے بہر حال جو یہاں مبالغہ ہے وہ وہاں حقیقت ہوگی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر کبھی نظر سے نہیں گزری، اس دقیقہ سے غافل ہونے کے سبب لوگوں نے حور کو محبوبان دنیا کی طرح سمجھ لیا اور بعضوں نے تو یہاں تک بیہودگی کی کہ براہ تمسخر گھوسنوں سے اور کشمیر کے چکلے کی رنڈیوں سے تشبیہ دی (نعوذ باللہ) بات یہ ہے کہ لوگوں میں مادہ قیاس الغائب علی الشاہد(۲) کا ہے اسی لیے حور کو بھی اگر قیاس کیا تو اس پر کہ جس کو دیکھا ہے یا جو اپنے خیال میں ہے اب جن کے خیالات گندے ہیں رنڈیوں اور گھوسنوں تک ان کا ذہن پہنچا۔

تاریخی قلمی کتاب

اس قیاس الغائب علی الشاہد(۳) پر یاد آیا کہ کانپور میں ایک قلمی کتاب تاریخی تھی اس کا نام خاور نامہ تھا اس میں ہر واقعہ کی متعلق تصویریں تھیں حتی کہ معراج کا بیان تھا تو اس میں بھی تصویریں تھیں کہ یوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فرشتے آئے اور یوں آسمان پر لے گئے اور یوں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور یوں جبریل علیہ السلام ساتھ تھے

(۱) آنکھ کی بینائی (۲) غائب کو موجود پر قیاس کرنے کا مادہ ہے۔

یوں میکائیکل علیہ السلام ساتھ تھے اور یوں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور یوں جنت دیکھی اور یوں ودوزخ دیکھا اوران سب کی تصویریں۔ یہ خبط ہوگیا ہے لوگوں کو اول تو تصویر بنانا ویسے ہی منع ہے پھر ایسی مقدس ذاتوں کی ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' اس میں مصلحت یہ بیان کی جاتی ہے کہ قصہ اچھی طرح سمجھ میں آسکے اس طرح کہ خبر کے ساتھ واقعہ کی صورت بھی پیش نظر ہو۔

تصاویر بنانے میں ممانعت شرعی

سبحان اللہ کیسی شاندار مصلحت ہے کس درجہ بے با کی اور جرأت کی بات ہے کہ اس مہمل مصلحت کے لیے ممانعت شرعی کا لحاظ نہ کیا جاوے۔ یوں تو کوئی کام بھی کسی نہ کسی مصلحت سے خالی نہیں حتٰی کہ چوری، ڈاکہ، زنا سب میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور فائدہ ضرور ہے مثلاً کم سے کم کرنے والے کا دل خوش ہونا تو چاہیے کہ اس مصلحت کے لیے ان افعال سے بھی باز نہ رہا جائے اور منع نہ کیا جائے۔ خیر یہ تو شرعی غلطی ہے مگر ایک حسی غلطی یہ ہے کہ ان سے کوئی پوچھے کہ یہ تصویریں بنائیں کیسے جس چیز کو دیکھا نہیں اس کی صورت کیسے قائم کی، اس کی بنا وہی قیاس الغائب علی الشاہد ہے یہ خبط پہلے بھی تھا لوگوں کو مگر اب زیادہ ہے۔

تصاویر کے ساتھ فقہ کی کتاب

اب اس میں قدر وسعت کی گئی ہے کہ ایک فقہ کی کتاب میں بھی تصویریں چھاپی ہیں وضو کا بیان تھا تو اس میں تصویر تھی کہ یوں بیٹھو اور یوں لوٹا رکھو، نماز کا بیان آیا تو اس میں بھی تصویر بنادی کہ یوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں، یوں رکوع میں جاؤ، یوں سجدہ کرو، یوں بیٹھو۔ جنازہ کی نماز کا بیان آیا تو اس میں بھی تصویریں بنادیں کہ ایک چارپائی پر مردہ رکھا ہوا ہے اور اس کے مقابل امام اور مقتدی صف باندھے کھڑے ہیں۔ کیا خرافات ہے اگر یہی بات ہے کہ بلا تصویر بنائے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو اپنے پاخانہ پھرنے (۱) کی تصویر بھی بنا کر رکھو تا کہ لڑکے اور بچے اس کو دیکھ کر پاخانہ کرنا

(۱) پاخانہ کرنے کی۔

سیکھیں۔ حضرات ایں ہمہ از پے آں است کہ زر میخواہد(۱)

حب مال کا انجام

حب مال(۲) اور کمائی کے شوق نے یہ نوبت پہنچائی ہے روپیہ حاصل ہو، خواہ جائز طریق سے ہو یا ناجائز طریق سے دنیا حاصل ہو، خواہ دین رہے یا نہ رہے دین کی کتابیں اور قرآن بھی چھاپے جاتے ہیں تو دنیا کے لیے بس دنیا ہی دنیا رہ گئی۔ کسی سے مشورہ تک بھی نہیں کرتے کہ یہ طریقہ کمائی کا حلال ہے یا حرام، بس ذرا سی مصلحت ذہن میں آئی اور اس کام کو کرڈالا، تصویر میں اتنی سی مصلحت سمجھ کر کہ واقعہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے بنانا شروع کردیا اس کا خیال بھی ذہن میں نہیں آتا کہ شریعت اس کے متعلق کیا کہتی ہے اور اب تو یہ جرأت ہوئی ہے کہ تصویروں کے بنانے کو حلال بھی کہنے لگے تاکہ کسی قسم کی رکاوٹ ہی نہ رہے کیونکہ ایک فعل کو کریں اور ناجائز سمجھیں تو کبھی نہ کبھی یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید خوف خدا آجاوے اور اس کام سے دل رک جاوے اس واسطے یہ قصہ ہی بیچ میں سے اڑادیا کہ تصویر حرام نہیں بس اب کچھ رکاوٹ ہو ہی نہیں سکتی۔ صاحبو! جو چاہیے سو کیجئے لیکن یہ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ کے حلال کرنے سے کوئی حرام چیز حلال ہو نہیں سکتی۔ غرض اس کتاب خاور نامہ میں ملائکہ تک کہ تصویریں تھیں جن کے پر بھی لگائے تھے اور تماشا یہ کہ فرشتے پان بھی کھائے ہوئے تھے نہ معلوم کون سے پنواڑی کے پان ہوں گے یہ وہی قیاس الغائب علی الشاہد کی خرابی ہے۔ خاور نامہ کے مصنف صاحب پان زیادہ کھاتے ہوں گے اس واسطے ملائکہ کی تصویر بناتے وقت ان کو بھی اپنے اوپر قیاس کرکے پان کھلادئے سب قصے تھے قیاس الغائب علی الشاہد(۳) کے۔

حور کی صفت

اس بناء پر حوروں کو دنیا کی عورتوں پر اور ان کے لباس کو دنیا کے لباس پر قیاس کرکے یوں سمجھا ہوگا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ حور کا کپڑا دنیا میں لٹکادیں تو چاند اور

(۱) یہ سب کچھ پیسے کے حصول کے لیے ہے (۲) مال کی محبت (۳) غائب کو موجود پر قیاس کرنے کے۔

سورج کی روشنی ماند ہوجائے یہ مبالغہ ہوگا لیکن فی الواقع اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے بلکہ معنی حقیقی مراد ہیں کہ وہ کپڑے ایسے ہی ہیں اسی طرح ان کے جسم کی نسبت جو تصریح ہے ''یری مخ سوقھن من ورائھن''اس کو بھی مبالغہ پر محمول کیا ہوگا حالانکہ یہ بھی معنی حقیقی ہی پر محمول ہے ان کا جسم واقع میں ایسا ہی ہے کہ اندر سے ہڈیوں کا گودا نظر آتا ہے۔اب دیکھ لیجئے کہ دنیا کو آخرت کے ساتھ کیا نسبت ہے یہاں کوئی کپڑا ایسا نہیں جس میں ذاتی چمک ہو بلکہ اس کی کوئی چیز منور سے منور لیجئے وہ بھی اپنی ذات سے منور نہیں اس میں جو کچھ چمک دمک اور نور دکھائی دیتا ہے وہ درحقیقت اس کا نور نہیں بلکہ شمس وقمر کا نور ہوتا ہے کہ اس چیز میں منعکس ہوکر نظر آتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی منور چیز کو اندھیرے میں رکھ دیجئے جہاں آفتاب کی شعاع نہ پہنچے، دیکھئے گا کچھ بھی نہیں رہے گا نہ چمک نہ نور تو دنیا میں کوئی نظیر ان کے کپڑے کی نہیں ملتی کہ وہ بالذات منور ہو اور نور بھی کیسا جو شمس وقمر کے نور کو ماند کردے سو جس کے کپڑے کی یہ حالت ہو اس کی ذات کی کیا حالت ہوگی۔ پس ایسی عورت ذہن میں آ ہی نہیں سکتی اس میں نوع عورت کا نام لگا ہوا ہے مگر وہ نہ یہاں کی سی عورت ہے اور نہ اس کے حسن کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے یہی حالت آخرت کی ہر چیز کی ہے کہ نام ان کے دنیا ہی کی چیزوں کے سے ہیں اور حقیقت کچھ اور ہے نہ وہاں کا پانی یہاں کا سا پانی ہے نہ وہاں کا انار یہاں کا سا انار ہے نہ وہاں کی کھجور یہاں کی سی کھجور ہے نہ وہاں کا دودھ یہاں کا سا دودھ ہے نہ وہاں کی شراب یہاں کی سی شراب ہے نہ وہاں کی عورتیں یہاں کی سی عورتیں ہیں۔غرض وہاں کی سب چیز یہاں کی سب چیزوں سے کہیں بہتر ہونے کی حقیقت یہ ہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نعماء آخرت (۱) گو دنیا کی نعمتوں کے ساتھ متشارک فی الاسم (۲) ہوں لیکن حقیقت میں بالکل جدا ہیں اس واسطے دنیا کی نعمتوں کو ان سے نسبت دینا ذرہ اور آفتاب کو برابر کرنا ہے۔ پس ایک تو وجہ خیر ہونے کی یہ ہوئی کہ اس کی نوع اس کی نوع سے افضل واکمل ہے۔

(۱) آخرت کی نعمتیں (۲) اگرچہ نام میں شریک ہوں۔

دنیا کی کوئی نعمت کلفت سے خالی نہیں

اور ایک وجہ اور بھی سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ دین کی نعمتیں اور راحتیں کیسی ہی بڑی سے بڑی ہوں مگر ان میں شائبہ الم (۱) کا ضرور ہے کوئی نعمت اور راحت ایسی نہیں جس کے ساتھ کچھ نہ کچھ تکلیف نہ ہو۔ مثلاً کھانا جو دو وقت کھایا جاتا ہے سب جانتے ہیں کہ اس سے بڑی نعمت کونسی ہے بقاء حیات اسی سے ہے مگر اس میں کس قدر کلفتیں ہیں۔ اول تو اس کے حاصل کرنے میں ہیں کہ زمین کھودی جائے اور اس میں تخم (۲) ڈالا جائے پھر بارش کا انتظار کیا جائے اگر بارش نہ ہو تو کنوئیں سے سینچائی (۳) کی جائے۔ یہ مستقل ایک کام ہے اس کے لیے بیل پالنے پڑتے ہیں اور آدمی رکھنے پڑتے ہیں مکان بنانے پڑتے ہیں اس تمام کام میں بڑی رقم صرف ہوتی ہے پھر سینچائی کے بعد کچھ عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے تب وہ دانہ جمتا ہے پھر اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے گھر چھوڑ کر جنگل میں رہنا ہوتا ہے رات کو سونا نہیں ملتا، رات بھر یہ شغل رہتا ہے کہ ہاہا ہو ہو کرتے رہو ڈھول پیٹتے رہو ورنہ وہ ساری کھیتی جنگل کے جانور کھا جائیں پھر اس کھیت کی گھاس وغیرہ سے صفائی کی جاتی ہے ان سب بکھیڑوں اور مشقتوں کے بعد کھیت تیار ہوا اب وہ کاٹا گیا اور خرمن (۴) میں لا کر ڈالا اور گاہا گیا تب جا کر دانہ حاصل ہوا۔ اب گویا کھانے کا مادہ تیار ہوا یہ کلفتیں تو مادہ میں ہوئیں ابھی اور بہت کام باقی ہیں اب اس کو صورت غذا کی پہنائی جائے گی اس صورت پہنانے میں بھی کیا کچھ کلفتیں ہیں اس کو پیسا جائے گا پھر چھانا جائے گا اور گوندھا جائے گا پھر روٹی پکائی جائے گی تو اب وہ کھانے کے قابل ہوگا اب تک بھی جو غرض ہے وہ حاصل نہیں ہوئی اب اس کو کھایا جائے گا کھانے میں بھی کچھ نہ کچھ مشقتیں ہیں، کبھی مرچ زیادہ ہوگئی تو تکلیف ہو رہی ہے کبھی کچا رہ گیا تو لطف نہیں آیا، کبھی جل گیا تو بے لطفی رہی، کبھی گرم گرم لقمہ منہ میں رکھ لیا تو منہ بھن گیا اور تلاش ہے کہ ٹھنڈا پانی لاؤ۔ خیر یہ کلفتیں تو معمولی ہیں لیکن کبھی یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ جان پر بن جاتی ہے بلکہ ایک دم خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔ صاحبو! کھانا کھانا ایک بہت ہی

(۱) تکلیف سے خالی نہیں (۲) بیج (۳) پانی کھینچ کر دیا جائے (۴) صحن میں۔

معمولی کام ہے جس کو بچپن سے لے کر مرتے وقت تک کم سے کم دو وقت روزانہ ہر شخص کرتا ہے اور یہ ایسا سہل کام ہے کہ اس کو نہ کسی استاد سے سیکھنا پڑتا ہے نہ اس کے لیے کوئی کتاب ہے جس کو دیکھ کر یہ کام آوے، بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور یہ کام کرنے لگا، دودھ چھاتی میں سے کھینچا اور حلق میں اتار لیا۔ گویا ایسا سہل کام ہے جس کے بتلانے اور سکھانے کی مطلق حاجت نہیں جب تک دودھ پیتا رہا دودھ کو اس طرح حلق میں اتارتا رہا جب غذا تبدیل ہوئی اور کچھ کھانے لگا تو اس غذا کو بھی اسی طرح بلا کسی کے بتلائے ہوئے اتارنے لگا حتیٰ کہ اسی طرح ساری عمر گزر جاتی ہے، معمولی سے معمولی کام کے لیے بھی بعض وقت آدمی مشورہ کا محتاج ہوتا ہے مگر یہ آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو کھانے اور لقمہ حلق میں اتارنے کے لیے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑی ہو۔ غرض یہ نہایت ہی سہل کام ہے لیکن اگر اس کی کیفیت خیال میں لائی جائے اور اس میں غور کیا جائے تو بڑے بڑے عقلمند دنگ رہ جائیں اور شاید یہی کہنا پڑے کہ یہ کام ایسا مشکل اور امکان سے بعید ہے کہ ہو ہی نہیں سکتا۔

خدائے عزیز و علیم کی قدرت

طب کی کتابوں میں دیکھئے تو عقل حیران ہوجاتی ہے کہ یہ کام کیسے ہوجاتا ہے حلق میں دو نلی آگے پیچھے ہیں اگلی نلی سانس لینے کی ہے جو پھیپھڑے سے ملی ہوئی ہے اور پچھلی نلی کھانے کی ہے جو معدہ میں پہنچتی ہے جو کچھ کھایا یا پیا جاتا ہے وہ اگلی نلی یعنی سانس کے راستے کے اوپر کو گزر کر کھانے کی نلی میں پہنچتا ہے۔ یہ ایسا خطرناک راستہ ہے کہ اگر ذرا سا پانی یا ذرا سا کھانا سانس کی نالی میں پہنچ جائے تو موت کا سامنا ہے کیونکہ پھیپھڑے میں سے پھر اس کے نکلنے کی کوئی ترکیب ہی نہیں، کوئی راستہ نہیں جس سے نیچے کو نکل جائے اور اوپر کو لوٹنا جسم ثقیل کا ویسے مستبعد (۱) مگر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ ایک ذریعہ اس کا بھی احتیاطاً رکھ دیا ہے اور اس سے بھی قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ شے ثقیل (۲) اوپر کو لوٹ آتی ہے وہ ذریعہ کھانسی ہے جب کوئی شے غریب پھیپھڑے

(۱) جو چیز بھاری ہو اس کا اوپر آنا عقلاً محال ہے (۲) بھاری چیز

کی نلی یا پھیپھڑے میں پہنچتی ہے تو پھیپھڑا ہوا کو بند کر کے ایک حرکت کرتا ہے جس سے وہ چیز ہوا کے ساتھ باہر نکل آتی ہے کھانسی پھیپھڑے کے لیے ایسی حرکت ہے جیسے دماغ کے لیے چھینک یہ حرکت کھانسی کی اگرچہ پھیپھڑے میں طبعاً رکھی ہوئی ہے مگر ہر وقت کافی نہیں ہوسکتی اور کھانے کا کام ہر وقت خود یا کھانسی چونکہ حرکت غیر طبعی ہے اس واسطے ایذادہ(۱) ہے لیکن حق تعالیٰ نے احتیاطاً اس کو رکھ دیا ہے۔ غرض سانس کی نلی کے اوپر کھانے اور پانی کا گزرنا سخت خطرناک بات ہے لیکن خدائے عزیز وعلیم کی قدرت دیکھئے کہ برابر ہر وقت کھانے اور پینے کا کام ہوتا ہے اور کبھی بھی کوئی خطرہ پیش نہیں آتا، ایک ذرا سا گوشت کا ٹکڑا سانس کی نلی کے اوپر لٹکا دیا ہے جس کو کوا کہتے ہیں جب کوئی چیز کھائی یا پی جاتی ہے تو وہ گوشت کا ٹکڑا سانس کی نلی کے اوپر ایسا ڈھک جاتا ہے کہ اس میں ذرا سی رمق بھی پانی کی نہیں جاسکتی۔ ساری ساری عمر یہ خطرناک کام ہوتا رہتا ہے اور ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ لقمہ حلق میں کیسے اتر گیا مگر کبھی حق تعالیٰ دکھلا بھی دیتے ہیں کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے اور کس قدر خطرہ رکھتا ہے اور اس طرح دکھلا دیتے ہیں کہ اس میں غلطی ہوجاتی ہے اور کچھ حصہ کھانے یا پانی کا سانس کی نلی میں اتر جاتا ہے جس کو پھندا لگنا کہتے ہیں تو کس قدر تکلیف ہوتی ہے آنکھیں باہر کو نکل آتی ہیں سانس بند ہوجاتا ہے بہت دیر میں ہوش ہوتا ہے بلکہ بعض وقت ایک دم خاتمہ ہی ہوجاتا ہے۔

اٹک کر مرنے کی حکایت

ہمارے وطن میں یہی قصہ ایک دفعہ پیش آیا ایک صاحب کے یہاں کوئی تقریب تھی بڑا مجمع تھا، خوشی ہو رہی تھی، کھانا کھانے بیٹھے تو ایک شخص کو پھندا لگا اور گلا بند ہوگیا، لقمہ اٹک گیا اور کھانا کیا تھا چاول، سننے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ کہیں چاول سے بھی ایسا ہوسکتا ہے چاول تو نہایت نرم غذا ہے حتیٰ کہ اس کو چبانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی مگر قدرت خدا کی کہ لقمہ حلق سے نہ اترا اور جان پر بن گئی، چاروں طرف سے لوگ دوڑے کوئی پانی لاتا ہے کوئی ان کو کھڑا کرتا ہے اور ہلاتا جلاتا ہے مگر وہاں کام ہی تمام

(۱) تکلیف دہ

ہوگیا تمام مجلس کا عیش مکدر ہوگیا۔ ان کے بھائی نے رات کو خواب میں دیکھا تھا کہ ایک جنازہ باہر سے گھر میں آیا ہے، تعجب ہوا تھا کہ جنازہ تو گھر میں سے باہر جایا کرتا ہے یہ الٹا کیا دکھائی دیا مگر ایسا ہی ہوا کہ باہر باہر محفل میں ان کا دم نکلا اور جنازہ گھر میں لایا گیا۔ غرض کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کھانا کھانا ایک معمولی کام ہے مگر اس میں بھی ایسے خطرے پیش آجاتے ہیں یہ کلفت ہوئی کھانے میں تو کھانا کھانا کیسی راحت کی چیز ہے مگر وہ بھی شائبہ الم (۱) سے خالی نہیں ایسی کلفت تو کبھی اتفاقیہ پیش آجاتی ہے بعض کلفتیں ایسی ہیں کہ اکثر پیش آجاتی ہیں مثلاً کھانا کھاتے میں بوٹی کا ریشہ دانتوں کے اندر رہ گیا تو کس قدر اوکلودیتا (۲) ہے جب تک وہ نکل نہ جاوے چین ہی نہیں آتا اس کو تنکے سے نکالا جاتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنکے سے اسے نکالنا چاہا تو تنکا بھی ٹوٹ کر وہیں رہ گیا اس سے اس الجھن میں اور اضافہ ہوا یہ وہ کلفتیں ہیں جو اکثر پیش آتی ہیں ان سب کلفتوں کے بعد غذا پیٹ میں پہنچی تو اور دوسری مشقت شروع ہوئی۔ ایک لقمہ زیادہ کھالیا تو گرانی ہوگئی جس کا انجام یہ ہے کہ قبض ہوگیا یا دست آگئے، پیٹ میں مروڑ ہوگئی یا جلن ہونے لگی اب حکیم کو بلاؤ یا ڈاکٹر کو لاؤ کہیں سینک ہورہی ہے کہیں چورن دی جارہی ہے تب کہیں پیچھا چھوٹتا ہے اور بسا اوقات اس سے بھی کھانا ہضم نہیں ہوتا، قے ہوجاتی ہے اور کبھی ہیضہ تک کی نوبت آجاتی ہے، خدا بچاوے۔

بھوکوں کو ہیضہ کے تمنا کرنے کی حکایت

گو بعض حریص لوگ ہیضہ کو تکلیف نہ سمجھتے ہوں جیسا ایک گاؤں کا قصہ مشہور ہے کہ وہاں ہیضہ پھیلا تو وہاں سے نکل کر بھاگے، دوسرے گاؤں میں سے گزرے جو غریب اور قحط زدہ تھے انہوں نے پوچھا کیوں بھاگے جارہے ہو، جواب ملا کہ اس گاؤں میں ہیضہ ہورہا ہے، پوچھا ہیضہ کیا ہوتا ہے کسی نے کہا زیادہ کھالینے سے خرابی ہوجاتی ہے اس کو ہیضہ کہتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں افسوس یہ مبارک مرض ہم کو کبھی نہ ہوا پیٹ بھر کر کھانے کو تو مل جاتا پھر مرتے یا کچھ ہی ہوتا۔ ایک بی بی کا قصہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے ایک عزیز کے لیے اولاد کی متمنی تھیں ایک بار کہنے لگیں کہ میرے بچہ کے ایک بچہ ہوجاتا پھر

(۱) تکلیف کے شائبہ سے (۲) مشقت میں ڈال دیتا۔

چاہے میں اس خبر کو سنتے ہی فوراً ہی مر جاتی۔ یہ لطیفہ ہیضہ پر یاد آ گیا۔ بیان یہ تھا کہ کھانے میں کیا کیا کلفتیں ہیں، کھانے سے پہلے بھی اور ساتھ میں بھی اور بعد میں بھی تو دنیا کی راحتوں کی یہ حالت ہے کہ کوئی راحت بھی متعدد کلفتوں سے خالی نہیں، کھانے میں یہ کلفتیں تھیں۔

پانی کے متعلق کلفتیں

پانی میں بھی یہ قصے ہیں کہ پانی کے واسطے کنواں کھودنا پڑتا ہے، بہشتی [(۱)] لگانا پڑتا ہے، برتن رکھنے پڑتے ہیں اور ان کی حفاظت کرنا پڑتی ہے ذرا سی نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے پھر اس کو پھینکا جاتا ہے اور برتن پاک کیے جاتے ہیں یہ تو پانی کے حصول سے پانی کی کلفتیں ہیں اور پانی کے استعمال کے وقت میں بھی کچھ کلفتیں پیش آتی ہیں بعض وقت ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے مگر میسر نہیں، بہت ناگواری کے ساتھ گرم پانی پینا پڑتا ہے۔ ضرورت تو رفع کی ہی جاتی ہے مگر دل خوش نہیں ہوتا بعض وقت گرم پانی کی ضرورت ہے مگر وہ نصیب نہیں، ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کیا جاتا ہے جس سے کپکپی آ جاتی ہے مگر کیا کیا جائے قہر درویش برجاں [(۲)] درویش کو غسل و وضو کرنا ہی پڑتا ہے اسی طرح بعد کی کلفتیں بھی ہیں، پانی زیادہ پی لیا تو پیٹ پھول گیا، کم ملا تو پیاس رفع نہ ہوئی غرض کوئی راحت دنیا کی ایسی نہیں جو مشوب بالالم [(۳)] نہ ہو۔

بی بی کے ساتھ کلفتیں

سب سے زیادہ عیش کی چیز دنیا میں بی بی سمجھی جاتی ہے اس میں دیکھئے کیا کیا کچھ کلفتیں ہیں اول تو اس کے حصول میں کہ بعض جگہ رواج یہ ہے کہ اس پر بیٹی والے روپیہ لیتے ہیں اول بہت سا روپیہ کماؤ تب بی بی کا نام لو اور پیغام دو، خیر یہ تو بری اور جاہلانہ رسم ہے اور کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے جہاں یہ رسم نہیں بھی ہے وہاں بھی اور بہت سے بکھیڑے ہیں، بیٹی پر روپیہ تو نہیں دیا جاتا مگر اور بہت سی کلفتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ مثلاً

(۱) پانی بھرنے والا ماشکی لگانا پڑتا ہے (۲) جیسے تیسے ہو وضو کرنا ہی پڑتا ہے (۳) جس کے ساتھ تکلیف ملی ہوئی نہ ہو

پہلے نسبت اور منگنی ہوتی ہے اس کے لیے نائی کو بھیجنا پڑتا ہے تب بات پکی ہوتی ہے پھر تاریخ نکاح کی مقرر ہوتی ہے، لوگوں کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے یہ بھی اچھا خاصا مرحلہ ہے۔ مختلف مذاق کے لوگ ہوتے ہیں بعض ان میں سے ایسے موقع پر خواہ مخواہ نخرے کیا کرتے ہیں۔ خیر ان کے نخرے اٹھائے گئے اور ان کو جمع کیا گیا اب کھانا دانہ بھی ہونا چاہیے اس کے لیے بھی روپیہ کی ضرورت ہے کتنے دنوں میں کلفتیں اٹھا کر یہ روپیہ جمع ہوتا ہے اب نکاح کا وقت ہوا تو مہروں کا معاملہ درپیش ہے اگر سہولت سے طے ہو گیا تو خیر ورنہ بعض وقت اس سے پہلے کی سب کارروائی یوں ہی رہ جاتی ہے اور طرفین میں بگاڑ ہو جاتا ہے اور بات یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ نکاح ہی حذف[۱] ہو جاتا ہے اگر مہر طے ہو گیا تو خیر نکاح ہو گیا بیس بکھیڑوں کے بعد خدا خدا کر کے محنت ٹھکانے لگی اور بی بی مل گئی۔ یہ کلفتیں تو حصول سے پہلے کی ہوئی جب بی بی مل گئی تو اول اول دو چار دن تو دعوتیں رہیں کہیں شکرانہ ہے کہیں پلاؤ ہے قومہ ہے، بریانی ہے اور دو چار دن کے بعد مطالبات شروع ہوئے کہ نان نفقہ دلواؤ، رہنے کو گھر لاؤ، سارا خرچ اٹھاؤ جو کچھ لطف اٹھایا تھا سب نسیاً منسیاً[۲] ہو گیا اب نون تیل لکڑی کی پڑی نوشہ صاحب ہیں کہ اب پہنچانے نہیں جاتے ماں باپ کے گھر پکی پکائی کھائی تھی اب خود پکانا پڑے گی اور گھر کرنا پڑ گیا یا الٰہی یہ کیا بلا نازل ہوئی، دونوں وقت کھلانے کو چاہیے اور کھانا بھی معمولی نہیں اپنی اکیلی جان ہو تو روکھی سوکھی بھی کھا کر بیٹھ رہے پرائی لڑکی ہے نئی نئی گھر آئی ہے اس کو تو روکھا سوکھا نہیں کھلایا جا سکتا اپنے آپ سے بہتر ہی کھلایا جائے گا مگر اب تو جو کچھ بھی ہو کرنا ہی پڑے گا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس پر بھی بس نہیں زیور کی فرمائش شروع ہوئی، اب زیور میں تو کھانے سے بھی زیادہ روپیہ لگتا ہے اور کبھی یہ کام کیا نہیں تھا۔ اب لوگوں سے پوچھے پھرتے ہیں کہ سونا کہاں سے لیں، سنار کون سا ہوشیار ہے جو زیور ایسا بنا دے کہ صاحب فرمائش کو پسند آ جاوے اور توڑ پھوڑ کی ضرورت نہ پڑے۔ غرض بکھیڑوں اور کلفتوں کا دروازہ کھل گیا یہ تو وہ باتیں تھیں جو کسی معنی میں اختیاری بھی کی جا سکتی ہیں۔

(۱) نکاح ہی موقوف ہو جاتا ہے (۲) بھولا بسرا ہو گیا۔

بی بی کے ساتھ بعض باتیں ایسی بھی پیش آتی ہیں جو اختیار سے باہر ہیں۔ مثلاً بیماری کہ بی بی صاحب کا سر بھی دکھا تو فوراً حکیم کو بلاؤ، ڈاکٹر کو لاؤ، اپنی جان پر کوئی تکلیف ہو تو ایک وقت آدمی دم گھونٹ کر بھی بیٹھ رہے اور صبر کر لے مگر اس شخص کی تکلیف پر صبر نہیں ہوسکتا جس کی تیارداری اور کل بار اپنے ذمہ ہے خود اپنی طبیعت بھی اس کو گوارا نہیں کرسکتی کہ اس کو کوئی موقع شکایت کا ملے نیز دوسری طرف کا یعنی سسرال کا دباؤ بھی موجود ہے کہ لڑکی والے سنیں گے کہ اس کے سر میں درد ہوا اور کسی نے خبر نہ لی تو بہت کچھ بگڑیں گے اور اس بگاڑ کی نوبت جانے کہاں سے کہاں تک پہنچے گی۔ ممکن ہے کہ اس کا انتقام لیں اور گھر بلا کر پھر نہ بھیجیں، اب کری کرائی ساری محنت یوں ہی رہ جائے۔ دیکھئے کس قدر بکھیڑے ہیں بی بی جو سب سے زیادہ کی عیش کی چیز ہے اس کے ساتھ کلفتوں کی بھی سب سے زیادہ بھرمار ہے اور ابھی تو اور کلفتیں باقی ہیں۔

اولاد کی کلفتیں

جو اس کے نتائج میں داخل ہیں وہ یہ کہ اولاد ہوئی عورت کے لیے تو بچہ کا ہونا سخت مصیبت ہے ہی لوگ کہا کرتے ہیں کہ عورت دوبارہ جنم لیتی ہے مگر مرد کے لیے بھی کچھ کم مصیبت نہیں کہ زچہ خانہ کی خبر گیری گوندھ سونٹھ گھی وغیرہ کے لیے خرچ کی ضرورت اور بچہ صاحب جو تشریف لائے ہیں وہ پھول پان ہیں ذرا سے میں کمہلا جاتے ہیں سرد ہوا لگ گئی تو اینٹھ گئے اور گرم ہوا لگ گئی تو بھڑک اٹھے کبھی رونا شروع ہوا تو روئے ہی جاتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیوں روتے ہیں، بچہ حیوان بے زبان ہوتا ہے اپنا دکھ بیان نہیں کرسکتا، علاج بھی قرائن اور قیاسات پر کیا جاتا ہے کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ پیٹ میں درد ہے اس واسطے روتا ہے۔ لہٰذا گھٹی دی جاتی ہے اور کبھی خیال ہوتا ہے کہ کان میں درد ہے اس کے واسطے تمباکو کی پیک کان میں ڈلوائی جاتی ہے یہ تکلیفیں تو وہ ہیں جو معمولی سمجھی جاتی ہیں ان کی تدبیریں گھروں میں مستورات خود ہی کر لیتی ہیں اور کبھی ایسی بیماریاں بچہ کو ہوتی ہیں جو گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور بڑے بڑے قابل اور تجربہ کار حکیموں اور ڈاکٹروں کی تلاش کرنی پڑتی ہے اور ذرا سے بالشت بھرے آدمی

کے لیے ہزاروں روپیہ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے اس وقت تارے نظر آ جاتے ہیں اور بے ساختہ آدمی کہہ اٹھتا ہے کہ بھلی اولاد ہوئی ہمیں تو مار دیا۔ بھلے مانس اس کا کیا قصور ہے تو نے خود ہی تو اسے بلایا ہے۔ کسی صاحب حال کا قول:

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
کہ جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

غرض کہیں ناک دکھ رہی ہے کہیں آنکھ دکھ رہی ہے ذرا اس کا جی اچھا ہوتا ہے تو اپنی جان میں بھی جان آجاتی ہے اور جب اس کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو اپنی زندگی بھی تلخ ہوجاتی ہے۔ ''بین الرجاءوالخوف''(۱) کا لطف آتا ہے خیر خدا خدا کر کے لڑکا بڑا ہوا تو اب اس کی شادی ہوئی پھر اس کے اولاد ہوئی اور سارا دھندا پھر از سرنو شروع ہوا جن کلفتوں سے خدا خدا کر کے کچھ نجات پائی تھی اب پھر ان کا آغاز ہوا۔ اگر اس کے اولاد نہ ہوئی تو اس کا غم کہ اولاد کیوں نہیں ہوتی اور اگر ہوئی تو وہ بھی سب ساز وسامان ساتھ لائی وہی گوہ موت وہی بیماری وہی خرچ وہی بے چینی وہی ہر وقت کا شغل غرض سارے غم تازہ ہوگئے، یہ عیش اور آرام ہے دنیا کا اور دنیا کے یہ اشغال ایسے ہیں جن سے کوئی بھی خالی نہیں حتی کہ لوگوں کی طبیعتیں ان سے ایسی مانوس ہوگئی ہیں کہ یہ اگر نہ ہوں تو طبیعت گھبراتی ہے کہ کوئی شغل نہیں اور یہ اشغال رہیں تو دل بہت خوش رہتا ہے مگر اس کو بجز بے حسی کے کیا کہا جاوے۔

حکایت

ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے ایک دوست ملے اور سلام علیک ہوئی، پوچھا خیریت ہے، انہوں نے بہت بگڑ کر کہا کہ خیریت ہوگی تمہارے یہاں، ہمارے یہاں تو کنبہ ہے کنبہ میں خیریت کیسی کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے کسی کی ناک دُکھ رہی ہے کسی کا کان دکھ رہا ہے تم خیریت چاہتے ہو میرے کنبہ کو کوستے ہو یہ واقعہ ہے۔ اس شخص نے ان کلفتوں کے نہ ہونے کو برا سمجھا۔ اہل دنیا کی یہی حالت ہے چونکہ انہوں نے آرام کا

(۱) خوف امید کے درمیان کی حالت ہوتی ہے۔

عالم دیکھا نہیں ہے اور آنکھ کھولتے ہی اس عالم کو دیکھا ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے اس وجہ سے اس سے انس ہو گیا ہے اور اس کی تکلیفیں تکلیف نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر ایک دو دن کے واسطے بھی ان کو وہ عالم نظر آجاوے جہاں راحت محضہ (۱) ہے تو یہ انس (۲) نہ رہے اور اس کے نام سے گھبرانے لگیں۔ یہ اس دنیا کا حال ہے جس کے پیچھے لوگ مرے جاتے ہیں اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو سمیٹ کر گھر میں بھر لوں حالانکہ دنیا میں عیش و آرام اور راحت اس وقت میں تو کچھ ہو بھی جاتی ہے جب کہ دنیا تھوڑی ہو اور تعلقات کم ہوں اور تعلقات والے کو تو عیش اور آرام نصیب ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیا کی دو حالتیں

اس دنیا کی دو ہی حالتیں ہیں ایک آرام کی اور ایک تکلیف کی جس کے آرام کے حصہ کی یہ کیفیت ہو تو اس کی اس حصہ کا کیا پوچھنا ہے جو تکلیف کا حصہ سمجھا جاتا ہے بعض وقت ایسی تکلیفیں دنیا میں پیش آتی ہیں کہ ان کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ خیر اس تکلیف کے حصہ کو چھوڑیئے کیوں وحشت میں پڑے مجھے تو اس حصہ کی حالت دکھلانی ہے جو آرام کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں بھی کوئی راحت ایسی نہیں جس میں شائبہ الم کا نہ ہو اس سے تکلیف کے حصہ کا حال خود سمجھ میں آجاتا ہے۔ بخلاف جنت کے کہ وہاں شائبہ بھی تکلیف کا نہیں۔

جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی

جس بات کو دل چاہے بلا کلفت اور بلا محنت اور بلا توسط اسباب فوراً موجود ہے مثلاً ایک پرند سامنے بیٹھا ہے کسی جنتی کا جی چاہا کہ اس کا کباب کھاتے، بس وہ فوراً کباب بن کر تیار ہو کر سامنے آگیا نہ اس کے واسطے غلیل کی ضرورت ہوئی نہ بندوق کی نہ ذبح کی نہ کھال اتارنے کی نہ پکانے کی نہ گھی کی نہ مصالحہ کی بنا بنایا کباب سامنے آگیا یا مثلاً ایک مکان میں بیٹھے ہیں اور وہ مکان آراستہ اور پیراستہ ہے چھت اس کی مرصع ہے

(۱) صرف آرام ہی آرام ہے (۲) تعلق

مگر جی چاہا کہ کھلا ہوا مکان ہوتا تو اس کے لیے آپ کو اس مکان سے اٹھنے اور دوسرے مکان میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بھی ایک تکلیف ہے وہاں یہ ہوگا کہ چھت غائب اور کھلا ہوا مکان موجود، قرآن شریف میں ہے ''وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ''(۱) یعنی جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو اہل جنت کا جی چاہے، غرض راحت بھی ہر قسم کی ہوگی اور پھر کوئی راحت کسی الم (۲) کے شائبہ سے ملی ہوئی نہ ہوگی بلکہ راحت محضہ ہوگی۔

آخرت کی دو حالتیں

اور جیسے دنیا میں دو حالتیں ہیں ایک راحت اور ایک تکلیف ایسے ہی آخرت میں بھی دونوں حالتیں ہیں، ایک راحت کی حالت جس کی جگہ جنت ہے دوسری تکلیف کی حالت جس کی جگہ دوزخ ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کی ہر راحت میں الم ہے اور ہر الم میں (۳) کچھ راحت بھی مگر آخرت میں نہ راحت کے ساتھ الم ہے نہ الم کے ساتھ راحت (۴) چنانچہ دنیا کی راحت اور آخرت کی راحت کا مضمون تو سن لیا اب دونوں جگہ کی تکلیف کی کیفیت سنئے، دنیا کی کوئی تکلیف ایسی نہیں جس میں کوئی شائبہ راحت کا نہ ہو مثلاً مرض ہوتا ہے تو اس کے واسطے طبیب موجود ہے دوا موجود ہے مکان ٹھنڈا یا گرم جیسا چاہے مل سکتا ہے تیار دار موجود ہیں کسی کے ماں باپ ہیں کسی کے دوست احباب ہیں اگر کوئی بالکل ہی لاوارث، غریب اور فقیر ہے اور کوئی خبر گیراں اس کا موجود نہیں تب بھی اتنا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی تکلیف کو دیکھ کر اس کے ابناء (۵) جنس کو رحم آجاتا ہے اور پیسہ سے ہاتھ پیر سے زبان سے تھوڑا یا بہت سلوک کر دیتے ہیں۔ یہ بھی تھوڑی سی راحت ہے بخلاف دوزخ کے کہ وہاں کوئی جزو راحت کا ذرہ برابر بھی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت ہی ہے کہ مصیبت زدہ کو یہ امید ہو کہ میں چند روز میں اس تکلیف سے چھوٹ جاؤں گا چاہے دن تکلیف کے کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن کان میں یہ بات

(۱) فصلت: ۳۱ (۲) راحت کے ساتھ کسی قسم کی تکلیف کی آمیزش نہ ہوگی (۳) ہر راحت میں تکلیف اور ہر تکلیف میں راحت ملی ہوئی ہے (۴) نہ راحت کے ساتھ تکلیف نہ تکلیف کے ساتھ راحت (۵) اس کے ساتھیوں کو۔

پڑی ہوئی ہو کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ میری تکلیف ختم ہوجائے گی تو اس سے بھی دل کو ایک سہارا سا رہتا ہے۔ دیکھو کوئی دائم الحبس (۱) ہوتا ہے تو چونکہ اس کی بھی ایک میعاد مقرر ہے گو وہ میعاد بھی طویل ہے۔ مثلاً چودہ برس کی لیکن اس سے بھی اس کے دل کو تقویت رہتی ہے حتیٰ کہ احباب سے اور گھر والوں سے کہتا ہے کہ بھائی زندگی ہے تو پھر آ ہی ملیں گے لیکن اہل نار کو دوزخ میں یہ بھی نہ ہوگا بلکہ حکم سنا دیا جائے گا کہ اب موت نہیں آئے گی اور تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہوگا۔

اہل ایمان دوزخ میں امیدوار نجات ہوں گے

سوائے ان اہل ایمان کے جو بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جاویں گے کہ ان کو وہاں تکلیفیں جو کچھ بھی ہوں مگر اتنی راحت ضرور ہوگی کہ توقع ہوگی نجات کی اور یہ امید رہے گی کہ سو برس میں ہزار برس میں دس ہزار برس میں کبھی نہ کبھی یہاں سے نکل جاویں گے سو اس گروہ کے ذکر کا یہ مقام اس لیے نہیں کہ یہ حقیقی اہل دوزخ نہیں ہیں ان کا مکان اصلی تو جنت ہے مگر کچھ نجاستوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے ان کو پاک وصاف کیے جانے کی ضرورت تھی اس واسطے دوزخ میں ڈالے گئے چند روز میں یہاں سے نکل جاویں گے، حقیقی اہل دوزخ کفار ہی ہیں جو دوزخ کے واسطے موضوع (۲) ہیں اور دوزخ ان کے واسطے موضوع (۳) ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ ان ہی کو فرمایا گیا ''مَأْوٰىكُمُ النَّارُ (۴) ،وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ونحوہٗ'' (۵) سو ان کے واسطے واقعی دوزخ میں شائبہ بھی راحت (۶) کا نہ ہوگا بلکہ جب اہل ایمان کو کبھی نہ کبھی نجات ہوجائے گی اس وقت ان کو صاف حکم سنا دیا جائے گا کہ تم کبھی نہیں نکالے جاؤ گے، اتنا جز و راحت کا بھی نہ رہا اب سوائے الم کے اور کیا رہا، ہر قسم کا الم (۷) وہاں موجود ہے مگر راحت ذرا بھی نہیں درد ہر طرح کے ہے مگر طبیب نہیں، دوا نہیں، تیماردار نہیں، اپنے ابناء جنس کو بھی رحم نہیں آتا، آیت میں صاف موجود ہے کہ اہل دوزخ اہل جنت سے لجاجت کریں گے کہ ''أَفِيضُوا

(۱) عمر قید (۲) پیدا کئے گئے (۳) دوزخ ان کے لیے بنائی گئی (۳) الحدید:۱۵ (۴) محمد:۱۲ (۵) راحت کا تھوڑا سا حصہ بھی نہ ہوگا (۶) تکلیف۔

عَلَيۡنَا مِنَ ٱلۡمَآءِ أَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُۚ قَالُوٓاْ ''(۱) یعنی تھوڑا سا پانی یا اور کوئی نعمت جنت کی ذرا سی ہم کو بھی دیدو تو جواب ملے گا کہ إِنَّ ٱللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى ٱلۡكَٰفِرِينَ ''(۲) یہ تم کو نہیں مل سکتیں حق تعالیٰ نے ان کو کفار کے لیے حرام کیا ہے یہ جواب ان لوگوں کا ہے جو اہل دوزخ کے ابناء جنس ہیں یعنی آدمی ہیں مگر اس لحاظ سے اجنبی بھی ہیں کہ اب ان میں اور ان میں کوئی تعلق نہیں رہا وہ اہل جنت ہیں یہ اہل دوزخ ہیں وہ چین میں ہیں یہ تکلیف میں ہیں بلکہ درحقیت تو ان میں اور ان میں تعلق دنیا میں بھی نہ تھا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کو ماننے والے تھے اور یہ خدا تعالیٰ کے منکر تھے وہ ان کے دشمن تھے یہ ان کے دشمن تھے، ہاں کچھ وہ تعلقات دنیا کے دونوں میں تھے جو معیشت دنیا کے لیے ضروری تھے بہرحال اہل جنت اہل دوزخ سے بالکل مغائرت رکھتے ہیں اگر ان سے ایسا روکھا جواب ملے گا تو کچھ تعجب اور شکایت کی بات نہیں۔

اہل دوزخ میں باہم بھی عداوت ہوگی

مگر وہاں تو اہل دوزخ میں باہم بھی تراحم (۳) نہ ہوگا، یہ بھی ایک قسم کی راحت ہوا کرتی ہے کہ ایک بلا میں ایک مجمع کا مجمع گرفتار ہو مگر ان میں باہم ہمدردی ہو اور ایک دوسرے کا شریک حال ہو اس سے وہ مصیبت کچھ نہ کچھ ہلکی ہوجاتی ہے دوزخ میں اتنی بھی راحت نہ ہوگی بلکہ ایک کا ایک دشمن ہوگا۔ چنانچہ آیا ہے: كُلَّمَا دَخَلَتۡ أُمَّةٞ لَّعَنَتۡ أُخۡتَهَاۖ حَتَّىٰٓ إِذَا ٱدَّارَكُواْ فِيهَا جَمِيعٗا قَالَتۡ أُخۡرَىٰهُمۡ لِأُولَىٰهُمۡ رَبَّنَا هَٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّونَا فَـَٔاتِهِمۡ عَذَابٗا ضِعۡفٗا مِّنَ ٱلنَّارِۖ قَالَ لِكُلّٖ ضِعۡفٞ وَلَٰكِن لَّا تَعۡلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتۡ أُولَىٰهُمۡ لِأُخۡرَىٰهُمۡ فَمَا كَانَ لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِن فَضۡلٖ فَذُوقُواْ ٱلۡعَذَابَ بِمَا كُنتُمۡ تَكۡسِبُونَ ﴿٣٩﴾ (۴) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک گروہ دوزخ میں جائے گا تو دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا اور برا بھلا کہے گا یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں پہنچ جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت یوں کہیں گے کہ اے اللہ ان

(۱) الاعراف: ۵۰ (۲) الاعراف: ۵۰ (۳) ایک دوسرے پر رحم نہ کھائیں گے (۴) الاعراف: ۳۸۔۳۹

لوگوں نے ہم کو بہکایا تھا یعنی یہ گمراہ تھے ان کی تقلید میں ہم بھی گمراہ ہو گئے۔ لہٰذا ان کو دونا عذاب ہونا چاہیے حکم ہوگا کہ سب کے لیے دونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں عذاب کی کچھ کمی نہیں ایک حصہ اور دو حصے سب برابر ہیں کیونکہ کوئی بھی ختم ہونے والا نہیں ایک گروہ نے تو یہ کہا دوسرا گروہ کہے گا کہ تم ہم سے کس بات میں بڑھے ہوئے ہو جیسا کیا تھا اس کی سزا بھگتو، یہ اہل دوزخ کی باہم جنگ وجدل ہے اور عذاب میں تو تھے ہی یہ بھی عذاب ہی ہے کہ باہم سلوک اور ہمدردی بھی نہیں تو وہاں کی تکلیف بھی کامل تکلیف ہے جس میں کوئی شائبہ راحت (۱) کا نہیں مگر مجھ کو اس وقت وہاں کے تکلیف کے جزو کا بیان کرنا مقصود نہیں، مقصود محض راحت کے جزو کا بیان کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ دنیا کی راحتوں سے وہاں کی راحت کو بڑا فرق ہے۔ پس تمام اشکالات رفع ہو کر ثابت ہو گیا کہ آیت میں اسلام کا کامل ثمرہ بتلایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام پر ناقص ثمرہ کا وعدہ ہو تو اس کی طرف رغبت بھی ناقص ہوگی اور اگر کامل ثمرہ کا وعدہ ہو تو رغبت بھی کامل ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص سے ایک تو یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک پیسہ ملے گا اور ایک سے یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک اشرفی (۲) ملے گی۔ تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو اس کام کی طرف رغبت زیادہ ہوگی جس کی اجرت کامل ہے یعنی جس پر ایک اشرفی کا وعدہ ہے اسی طرح یہاں جب حق تعالیٰ نے اسلام کا ثمرہ کامل بیان فرمایا اس طرح سے کہ ثمرے ہر کام کے دو ہی ہوتے ہیں'' نجات عن التکلیف (۳) اور حصول راحت اور یہاں دونوں کا وعدہ ہے تو اب کوئی فرد ثمرہ کا باقی نہیں رہا اور اس طرح سے ثمرہ کامل ہو گیا تو اس میں اسلام کی پوری ترغیب ہوگئی اور اس ثمرہ کا کامل ہونا یہاں تو اس طریق سے معلوم ہوا اور دوسری نصوص میں دوسرے عنوانات سے بھی مذکور ہے۔

جنت میں نیند نہیں ہے

مثلاً صاف آیا ہے ''لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ '' یعنی اہل جنت کہیں گے کہ حق تعالیٰ

(۱) راحت کا کوئی حصہ نہیں (۲) سونے کا سکہ (۳) تکلیف سے چھٹکارا۔

نے ہم کو ایسے گھر میں پہنچا دیا کہ اب ہم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی دنیا میں آدمی کام کاج میں تھک جاتا ہے تو اس کو نیند آنے لگتی ہے وہاں نیند بھی نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ جنت میں سوئیں گے بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''النوم اخ الموت'' یعنی نیند تو ایک قسم کی موت ہے۔

نیند کوئی مقصود بالذات چیز نہیں

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جنت میں موت ہے نہیں لہٰذا نیند بھی نہ ہوگی اور واقعی جنت میں نیند ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ نیند خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ رفع تکان (۱) کے واسطے ہوتی ہے اور جنت میں نیند ہے نہیں تو تکان کی بھی کیا ضرورت ہے اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ بات ثابت ہے کہ جنت میں جملہ وہ چیزیں ہوں گی جس کو کسی کا دل چاہے ''وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ ٱلْأَنفُسُ '' تو اگر کسی کا دل نیند ہی کو چاہے تو نیند بھی ہونی چاہیے اور بعض لوگوں کے نزدیک تو نیند سب سے زیادہ محبوب چیز ہے۔

زیادہ سونے والوں کی حکایت

ہم نے ایک قصہ سنا ہے کہ ایک شخص تھے ان کو سونے کا بہت شوق تھا ایک دن مکان کے تہہ خانہ میں جا کر سو رہے اور کسی کو خبر نہ کی، کھانے کے وقت ان کی تلاش پڑی تو کہیں پتہ نہ چلا خیر معمولی تلاش کے بعد گھر والے خاموش ہو رہے کہ کہیں گئے ہوں گے آجائیں گے لیکن وہ نہیں آئے یہاں تک کہ شام ہوگئی، شام کو کھانے کے وقت پھر تلاش ہوئی مگر پتہ نہیں اب تو گھر والوں کو فکر ہوئی اور جہاں جہاں خیال ہوا تلاش کرایا مگر پتہ نہ چلا۔ اگلا دن ہوا اب ان کی تلاش بڑے اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی اور پچاس پچاس کوس تک آدمی دوڑے اور جہاں جہاں خیال پہنچا سب ہی جگہ ڈھونڈ لیا مگر وہ حضرت گھر سے باہر کہیں گئے ہوں تو ملیں سب آدمی واپس آگئے اور گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا، آخر مایوس ہو کر بیٹھ رہے کہ خدا جانے جنگل چلے گئے اور وہاں بھیڑیا کھا گیا یا

(۱) تھکاوٹ دور کرنے کے واسطے

یا کہیں پانی میں ڈوب گئے یا کیا ہوا، غرض ماتم کر کرا کر بیٹھ رہے، تین دن کے بعد ان حضرت کی آنکھ کھلی اور آپ تہہ خانہ میں سے بخیریت نکل آئے۔ معلوم ہوا کہ یہاں سب رو پیٹ بھی چکے تو آپ فرماتے ہیں میں تو یہیں تہہ خانہ میں سو رہا تھا کیوں اتنا پریشان ہوئے۔ علیٰ ہذا اٹاوہ میں ایک رئیس تھے، میرے ایک عزیز ان کے یہاں رہتے تھے، وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز وہ ایسے موقعہ پر سو گئے جہاں سایہ بھی تھا مگر پرنالہ بھی گرتا تھا اور اتفاق سے بارش ہوئی اور پرنالہ رات بھر ان کی چھاتی پر گرتا رہا مگر ان کو خبر نہیں ہوئی صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ رات بھر پرنالہ گرتا رہا اور بھیگے پڑے ہیں تب کپڑے اتارے۔ میرے زمانہ قیام دیوبند میں ایک طالب علم تھے۔ فیض محمد نام ان کے باپ کسی ریاست میں نوکر تھے ان کا بھی قصہ ایسا ہی ہے کہ وہ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ ہلاؤ، جلاؤ، غل مچاؤ کچھ کرو مگر ان کو خبر نہیں ہوتی تھی جب تک ان کے کان کے پاس بندوق کا فائر نہ کیا جاتا ان کی آنکھ نہیں کھلتی تھی، ریاست میں ان کی قدر تھی اور ایک فائر روزانہ کی ان کے جگانے کے واسطے منظوری ہوگئی تھی ایسے اور بھی قصے بہت ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے سونے والوں کے نزدیک نیند سے زیادہ کون سی نعمت ہوسکتی ہے۔

جنت میں نیند کی خواہش نہیں ہوگی

تو کچھ عجب نہیں کہ یہ لوگ جنت میں بھی اس کی خواہش کریں اور یہ ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے تو نیند بھی ملنی چاہیے تو تعارض ہوگیا نصوص میں ایک نص میں ہے ''وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ ٱلْأَنفُسُ'' اور حدیث میں ہے کہ ''النوم اخ الموت'' (نیند موت کی بہن ہے) جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ وہاں نیند نہ ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب قدرت ہے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہونے دیں گے اور راز اس کا یہ ہے کہ نیند فی نفسہ کوئی مرغوب چیز نہیں اور یہاں جو مرغوب ہے تو اس وجہ سے کہ یہاں جاگنے سے تکان ہوجاتا ہے اس واسطے ضرورت پڑتی ہے سب کام چھوڑ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی یہی حقیقت ہے، نیند کی اور

جہاں تکان نہ ہو وہاں اس کی کیا ضرورت ہے۔ طالب علموں کے سمجھنے کے قابل تقریر اس امر کی کہ نوم کوئی مطلوب چیز نہیں اس طرح پر ہے کہ اصل نعمت وجودی چیز ہے اور اسی بناء پر تو دنیا کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو اپنی نعمت کا اظہار مقصود تھا۔

من نکردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم (۱)

تو پیدا کرنا نعمت ہوا فنا کرنا اصل میں نعمت نہیں ہوا۔

اور موت عدم ہے من وجہ (من وجہ اس واسطے کہا کہ عدم محض نہیں ہے) اور نیند مشابہ موت کے ہے۔ لہٰذا نیند بھی اصل میں نعمت نہ ہوئی اور جنت نعمتوں اور عیش کا گھر ہے تو وہاں اس کا کیا ذکر ہے اس لیے جنت میں کسی کو اس کی تمنا ہی نہ ہوگی۔ بس یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ جب جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو جی چاہے تو اگر کسی کا جی موت ہی کو چاہے تو یہ بھی ملنی چاہیے یا کسی کا جی لڑائی دنگے، خون خرابے کو چاہے تو یہ بھی جنت میں ہونا چاہیے یہ مذاق تو ایسا ہے۔

ایک لطیفہ

جیسے ایک صاحب حقہ کے بڑے دلدادہ تھے انہوں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے پوچھا تھا کہ حضرت وہاں آگ بھی ملے گی کسی نے ظرافت سے جواب دیا کہ آگ بہت دوزخ میں سے جا کر لے آیا کرنا۔ سو یہ تو بدمذاقی جنت والوں کا مذاق صحیح ہوگا نہ ایسی چیزیں جنت میں ہوں گی جو مضر یا غیر مطلوب ہیں اور نہ ان کا جی ایسی چیزوں کو چاہے گا اس کی مثال دنیا میں ہی لیجئے کہ دنیا میں کیسی کیسی چیزیں کھانے کو موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا پیسہ والا ہے اس کو کھانے کو سب کچھ میسر ہے اس پر کوئی کہنے لگے کہ سب کچھ کہاں میسر ہے گھاس کہاں کھاتا ہے اور بھوسہ کی سانی اس کو کہاں میسر ہے بلکہ یوں کہنے لگے کہ گوبر تو وہ کھاتا ہی نہیں پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ سب چیز کھانے کو میسر ہے تو یہ سوائے اس کے کہ بے حسی ہے اور کیا ہے کھانے کو سب کچھ میسر

(۱) ''میں نے دنیا کو بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ لوگوں پر جود و کرم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے''

ہونے کے معنی صحیح المزاج کے نزدیک یہی ہوسکتے ہیں کہ جو غذائیں انسان کے کھانے کی ہیں اور ان میں سے بھی اچھی اور عمدہ چیزیں اس کو میسر ہیں کہ قورمہ، پلاؤ، بریانی، فیرینی جو چاہے وہ کھا سکتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی معنی نہیں کہ سوکھی روٹی بھی کھا سکتا ہے اور ان غذاؤں کا تو کیا ذکر جو جانوروں کے کھانے کی ہیں اور یوں معنی لغوی کے اعتبار سے تو یہ چیزیں بھی کھانے کی ہیں اور غذا بھی ہیں۔ آخر گائے، بیل بھوسہ اور سانی کھاتے ہیں اور گوہ بھی بعض جانوروں کی غذا ہے اس معنی کو تو کھانے کا لفظ ان سب پر صادق آسکتا ہے اور اس لفظ کے معنی کہ فلاں شخص کو سب کچھ کھانے کو میسر ہے لغت کے اعتبار سے اس طرح صحیح ہوسکتے ہیں کہ اس کو جانوروں کی غذا اور غلیظ بھی میسر ہے مگر یہ معنی کون مراد لیتا ہے عرف میں یہی معنی مراد لیے جاتے ہیں کہ اس کو وہ چیزیں میسر ہیں جو ایک صحیح المزاج اور سلیم العقل آدمی کھایا کرتا ہے اور صحیح المزاج آدمی کا دل ان چیزوں کو چاہا ہی نہیں کرتا جو بری ہیں اور جو طبیعت انسانی کے خلاف ہیں البتہ مزاج کی خرابی کے وقت اور خروج عن الاعتدال (۱) کی حالت میں بری چیزوں کو بھی جی چاہا کرتا ہے۔ مثلاً بعض حالتوں میں مٹی کھانے کو جی چاہا کرتا ہے بعض صورتوں میں نیم کے پتے بھی کڑوے نہیں لگتے یا بے حسی کا زمانہ ہوتا ہے کہ بھلی بری میں تمیز نہیں ہوتی جیسے بچے کھٹائی بہت اور نہایت رغبت سے کھاتے ہیں کھٹائی ان کے نزدیک ایک بہت بڑی نعمت ہے حالانکہ عاقل سمجھ سکتا ہے کھٹائی بھی کوئی کھانے کی چیز ہے اعصاب کو مضر ہے اور تمام قوتوں کو کمزور کرتی ہے اسی واسطے جب شعور کا زمانہ آتا ہے تو بچوں کی طبیعت بھی کھٹائی سے اکثر خود ہٹ جاتی ہے تو ایسی نکمی چیزوں کو جی چاہنا بے شعوری کی دلیل ہے یا فساد مزاج کی اور اہل جنت نہایت صحیح المزاج اور سلیم العقل ہوں گے اس واسطے ان کا دل ہی ان چیزوں کو نہ چاہے گا جو مضر اور نکمی ہیں دنیا اور جنت میں یہی فرق ہے کہ دنیا میں بعض وقت غیر قابل استعمال چیزوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور جنت میں نہیں ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ سونا کوئی مرغوب و مطلوب چیز نہیں لہٰذا یہ جنت میں نہ ہوگا اور نہ اس کو ان کا جی چاہے گا

(۱) اعتدال سے نکلنے کی حالت میں

اور جاگنے سے ان کو تکان بھی نہ ہوگا۔(لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ)جنت میں تکان ، مشقت ہے ہی نہیں وہاں راحت ہی راحت ہے نہ شخصی حالات میں کوئی حالت تکلیف کی یا ناگواری کی ہے اور نہ دوسرے کسی سے کوئی تکلیف پہنچے گی کیونکہ جنت کی صفت میں یہ بھی آیا ہے(وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ)(۱) یعنی جو کچھ سینوں کے اندر کدورتیں ہیں وہ سب نکال دی جائیں گی کیسی پاک زندگی ہے جس کی نظیر خیال میں بھی نہیں آئی کہ کوئی کلفت باقی نہیں اور کوئی راحت چھوٹی ہوئی نہیں اور دنیا کی یہ حالت ہے کہ یہاں ہم سروٹ میں مظفرنگر سے آئے ہیں چار فرلانگ تو چلنا پڑا ہی ہے اگرچہ یہ مسافت کچھ بھی نہیں ہے مگر کچھ نہ کچھ قصد و اہتمام کی اور پیر ہلانے کی حاجت تو ہوئی ہے اور جنت میں حالانکہ اتنی بڑی جگہ ہے کہ ایک مکان کے گوشہ کا آدمی دوسرے گوشہ والے کو نظر نہ آئے گا لیکن اگر آپس میں ملنا چاہیں تو بس دل میں ارادہ پیدا ہو اور وہاں پہنچ گئے۔ ایک قدم بھی چلنے اور تکلیف کی ضرورت نہیں۔غرض تمام نعمتیں جنت میں کامل ہوں گی کسی میں شائبہ نقصان کا نہ ہوگا۔

اسلام کے دو ثمرات

حاصل یہ کہ اسلام کے دو ثمرے ہیں ایک مضرات (۲) سے حفاظت دوسرے راحت کی چیزیں حاصل ہونا اور وہاں دونوں ثمرے کامل ہوں گے ان دونوں ثمرات کا کامل ہونا دوسری نصوص سے تو بصراحت ثابت ہے مثلاً ایک یہی آیت تھی لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ (۳) یہ تو دفع مضرت پر دال ہے اور مثلاً یہ دوسری آیت ہے وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ (۴) یہ حصول راحت پر دال ہے اور بھی بہت سی صریح آیتیں اس مضمون کی موجود ہیں اور جس آیت کا اس وقت بیان ہو رہا ہے اس میں ذرا تامل کے بعد ثمرات کے کمال پر متعدد طرف سے دلالت موجود ہے ایک تو یہ کہ ثمرہ کے دو فرد ہوتے ہیں نفی مضرات اور حصول راحات اور

(۱)سورۃ الاعراف:۴۳ (۲) نقصان (۳)''وہاں نہ مشقت ہوگی اور نہ تکان''سورۃ الفاطر:۳۵ (۴)''اور اس میں جو جی چاہے گا ملے اور آنکھوں کو لذت ملے گی''سورۃ الزخرف:۷۱

آیت میں دو جملے ہیں ''لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ ''(۱) اور وَهُوَ وَلِيُّهُم (اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں) اول کا مدلول نفی ہے مضرات (۲) کی اور دوسرے کا مدلول اثبات ہے راحات (۳) کا تو اس طرح دونوں جزوں کا احاطہ ہوگیا اسی کو ثمرہ کامل کہتے ہیں۔ ایک تو یہ وجہ ہوئی دلالت علی الکمال کی۔ دوسرے یہ کہ لفظ دارالسلام سے بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ''سلامت عن المضرات علی وجہ الکمال ''(۴) ہے کیونکہ اس معنی کے لیے اول تو صرف لفظ سلام بھی کافی تھا اس وجہ سے کہ سلام کے آگے کوئی قید نہیں تو مطلق سلام ہوا اور یہ قاعدہ ہے کہ ''المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل ''(۵) اس واسطے لفظ سلام سے کامل سلامتی مراد ہوگی گو کہیں مطلق سے ادنیٰ فرد بھی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً عتق رقبہ (۶) میں جو کہ بعض کفارات میں ہے اس میں مومن وغیرہ کی قید نہیں لہٰذا بقاعدہ المطلق یجری علی اطلاقہ کوئی رقبہ (۷) بھی آزاد کردیا جاوے خواہ مومن ہو یا کافر تو کفارہ ہوجاوے گا۔ سو یہ تابع قرائن کے ہے اور یہاں قرینہ دال ہے کہ لفظ سلام فرد کامل ہی پر محمول ہوگا کیونکہ اگر ادنیٰ فرد مراد لیں تو جنت کو دنیا پر کیا ترجیح ہوگی کیونکہ ادنیٰ سلام تو یہاں بھی موجود ہے لہٰذا المطلق یجری علی اطلاقہ یہاں جاری نہ ہوگا بلکہ وہ پہلا ہی قاعدہ جاری ہوگا یعنی المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل تاہم کچھ نہ کچھ گنجائش اس شبہ کی بھی تھی کہ شاید سلام سے ادنیٰ فرد مراد ہو لیکن جب لفظ دار بڑھا دیا تو یہ شبہ بالکل ہی نہیں رہا اب یہ معنی ہوگئے کہ ایسے عالم کی سلامتی مراد ہے کہ وہ سلامتی کا گھر ہی ہے۔

دارالسلام کی عجیب وغریب تفسیر

اس کی تنویر ایک مقدمہ سے ہوگی وہ یہ ہے کہ ہر گھر کا ایک موضوع لہ ہوا کرتا ہے یعنی وہ امر جس کے لیے وہ گھر بنایا گیا ہو مثلاً رہنے کا گھر، یا اسباب کا گھر، یا مواشی

(۱) ''ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے'' الانعام: ۱۲۷ (۲) نقصان دہ چیزوں کی نفی ہے (۳) راحت والی چیزوں کا اثبات ہے (۴) نقصان دہ چیزوں سے کامل درجہ میں سلامتی حاصل ہوگی (۵) مطلق کو جب کسی قید کے بغیر ذکر کیا جائے تو فرد کامل مراد ہوتا ہے (۶) غلام آزاد کرنا (۷) غلام۔

کا گھر، یا مہمانوں کا گھر، اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ رہنے کا گھر وہ ہے کہ جس میں رہنے کا سامان پورا ہو، چار پائیاں لیٹنے کے لیے اس میں موجود ہوں، فرش بیٹھنے کے لیے بچھا ہوا ہو، لیمپ روشنی کے واسطے رکھا ہوا ہو، پنکھا ہوا کے لیے لگا ہوا ہو، پانی پینے کے واسطے رکھا ہوا ہو، کھڑکیاں ہوا کے واسطے کھلی ہوئی ہوں، چھت گیری لگی ہوئی ہوتا کہ چھت میں سے مٹی نہ گرے وغیرہ وغیرہ جتنے سامان رہنے کے متعلق آسائش اور آرائش کے ہیں سب موجود ہوں اور اسباب کا گھر وہ کہلائے گا جس میں اسباب رکھنے کا سامان پورا موجود ہو متعدد مچان ہوں، الماریاں ہوں، صندوق ہوں کواڑ مضبوط ہوں، تالا، کنجی درست ہو اور مواشی کا گھر وہ ہوتا جس میں جانوروں کے باندھے رہنا کا سامان ہو، مثلاً کھونٹے مضبوط گڑے ہوں ان کے کھانے کے لیے سانی کی ناندیں(۱) گڑی ہوں، بھوسہ بھرا ہوا ہو، چری(۲) بہت سی جمع کی ہوئی ہو۔

علیٰ ہذا مہمانوں کا گھر ایسا ہونا چاہیے جس میں مختلف مذاق کے لوگوں کی آسائش کے سامان ہوں حقہ بھی موجود ہو پاندان بھی رکھا ہوا ہو، پانی کے لیے متعدد برتن ہوں، بہت سی چار پائیاں ہوں اگر مہمان بڑی حیثیت کے لوگ ہوں تو آرائش کا سامان بھی بقدر کافی ہو، جھاڑ فانوس لگائے جاویں، لیمپ بجلی کے ہوں، نقش ونگار سے بھی مکان کو آراستہ کیا جاوے، خدمت گار بھی متعدد ہوں۔ غرض ہر گھر کا ایک موضوع(۳) ہوتا ہے اور عادت یہ ہے کہ جس گھر کو جس موضوع کے لیے تجویز کیا جاتا ہے اس موضوع کی وہاں پوری تکمیل کی جاتی ہے اور اپنے مکان بھر موضوع کے تمام مناسبات کو جمع کیا جاتا ہے جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب سنئے کہ قرآن میں محاورات اور عادات کی رعایت بہت ہے تو جس کو حق تعالیٰ نے دارالسلام فرمایا ہے جس کے معنی ہیں سلامتی اور حفاظت کا گھر اس کا موضوع آفات سے حفاظت اور امن ہوا تو لامحالہ وہاں یہ موضوع کامل ہوگا اس سے اجمالاً تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ دارالسلام جس جگہ کا نام ہے وہ جگہ پوری پوری حفاظت اور امن کی جگہ ہوگی۔ اب اس کی کچھ تفصیل بھی سنئے اس

---

(۱) جس میں جانوروں کے لیے بھوسہ وغیرہ ڈالتے ہیں (۲) ہرا چارہ (۳) مقصد

سے بخوبی سمجھ میں آجاوے گا کہ وہ دارالسلام واقعی ایسی ہی جگہ ہے جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوسکتی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ عادت یہ ہے کہ ہر گھر کی اس کے موضوع میں پوری تکمیل کی جاتی ہے، کوئی یہ نہیں چاہتا کہ جس کام کا گھر بناوے اس میں کچھ کمی رہ جائے پھر بھی اگر کمی رہ جاتی ہے تو اس کی وجہ دو ہوتی ہیں یا تو یہ کہ جو شخص بناتا ہے وہ پورا عاقل نہیں ہے کہ اس مکان کی سب ضروریات تو ذہن میں نہیں آئیں اس وجہ سے بعض چیزیں چھوٹ گئیں یا یہ کہ ضرورتیں تو ذہن میں سب آگئیں مگر بنانے والے کو ان کی تکمیل پر پوری قدرت نہیں مثلاً روپیہ کم ہے یا جگہ پوری نہیں ملتی تو لامحالہ جتنی گنجائش ہوگی اتنے ہی کام پر بس کیا جائے گا اگر بنانے والا پورا عاقل ہے اور حصول تعمیر سے اور ضروریات انسانی سے پورا واقف اور تجربہ کار ہے اور صاحب قدرت بھی ہے یعنی روپیہ بھی کافی موجود ہے اور جگہ کی بھی کمی نہیں تو ظاہر ہے کہ پھر وہ مکان کو ناقص کیوں رکھے گا، کامل ہی بنائے گا اور جو کچھ بھی اس کی موضوع کے مناسب ہوگا وہ سب اس میں مہیا کرے گا۔ مثلاً گھر کو تفریح کے لیے بنائے گا تو اس میں پورا سامان تفریح کا رکھے گا، جھاڑ، فانوس، نقش ونگار فرش فروش سب ہی کچھ سامان نشاط کا مہیا کرے گا اور جو وظیفہ پڑھنے کے لیے بنائے گا تو اس میں وظیفہ کا پورا سامان رکھے گا، مناجات مقبول بھی ہوگی، دلائل الخیرات بھی، اعظم بھی، تسبیح بھی، چوکی جاء نماز بھی غرض سب چیز وظیفہ کے متعلق ہوں گی جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا۔

دارالسلام کا مفہوم

تو اب دارالسلام کو لیجئے کہ وہ گھر بنایا گیا ہے آفات سے محفوظ ہونے کے لیے دارالسلام کے معنی یہ ہوں گے کہ سلامت وحفظ عن الآفات (۱) کی صفت میں وہ کامل ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ دیکھا جاوے کہ وہ گھر بنایا کس نے ہے حق تعالیٰ نے جن کو تکمیل سے کوئی مانع نہیں کیونکہ مانع دو ہوتے ہیں علم نہ ہونا یا قدرت نہ ہونا اور وہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں حق تعالیٰ کا علم بھی کامل اور قدرت بھی کامل، پھر یہ کیسے خیال کیا

(۱) آفات سے بچاؤ

جا سکتا ہے کہ جس گھر کو حق تعالیٰ نے سلامتی اور حفاظت عن الآفات کے لیے بنایا ہو اس میں کوئی بھی وہ چیز چھوٹ گئی ہوگی جس کو اس موضوع میں دخل ہو یہ بہت ہی موٹی بات ہے تو ثابت ہوا کہ وہاں ہر قسم کی تکالیف سے حفاظت رہے گی حتی کہ جو تکالیف کہ اس وقت ہمارے خیال میں بھی نہ آویں اور کبھی آئندہ ہو سکتی ہوں جن کا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں وہ بھی وہاں نہیں ہیں۔

دنیا کا گھر محض سرائے ہے

اے مسلمانو! ہمارا گھر وہ ہے جس کی یہ شان ہے دنیا کو گھر نہ سمجھو، دنیا محض سرائے ہے، راستہ چلتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے یہاں ٹھہرنا ہے۔

دنیا میں دل لگانے کی عجیب مثال

مگر ہم نے اس میں دل لگالیا، ہماری مثال اس سپاہی کی سی ہے جس نے ساری عمر نوکری کی اور جو کچھ کمایا تھا اس کو لے کر گھر کو چلے، راستہ میں کہیں سرائے میں ٹھہرے، ایک کوٹھری کرایہ پر لی وہ کوٹھری ان کو ایسی پسند آگئی کہ آپ نے فوراً راج مزدوروں کو بلایا اور اس کی لیپائی، پوتائی شروع کی اور عمدہ قسم کی قلعی کرائی اور بازار سے دری اور فرش اور چوکی اور جھاڑ اور فانوس لائے اور خوب سجایا، غرض پانچ ہزار روپیہ جو کما کر لائے تھے وہ سب اس کوٹھری کی سجاوٹ میں لگا دیا اور اس میں بیٹھ بیٹھ کر خوش ہو رہے ہیں کہ یہ ہمارا گھر ہے اور بھٹیاری اس کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہی ہے کہ اچھا بیوقوف پھنسا یہ تو اطمینان سے بیٹھے تھے مگر وہ کوٹھری ایک وقت مقرر کے لیے کرایہ پر دی گئی تھی جب وقت آیا بھٹیاری نے نوٹس دے کر ان کو نکلوا دیا، اب یہ بیک بینی و دو گوش (۱) وہاں سے گھر کو چل دیئے جو کچھ ساری عمر میں کمایا تھا وہ اس کوٹھری میں غارت کر آئے، گھر گئے تو دیکھا کہ بچے بھوکے ہیں اور جو مکان رہنے کا تھا اور جس میں ساری عمر ان کو کاٹنی تھی وہ گر چکا، بیوی الگ کوس رہی ہے بچے الگ بھوک کے مارے غل مچارہے ہیں یہ حالتیں دیکھ کر ان پر جو قیامت گزر رہی ہے وہ ان کا دل ہی جانتا ہے اب بچوں کے لیے

---

(۱) ایک ناک اور دو کان لے کر خالی ہاتھ وہاں سے اپنے گھر کو چلے

اور اپنے لیے کچھ کھانے کو لانا چاہتے ہیں، بازار گئے تو پیسہ پاس نہیں، بازار میں طرح طرح کی چیزیں دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا ہے مگر کیا کریں۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر　　تہیدست رادل پراگندہ تر

جس طرح بازار طرح طرح کی چیزوں سے بھرا ہوگا اسی طرح تنگ دست شخص کا دل زیادہ پریشان ہوگا۔

بس اب روتے ہیں اور کف افسوس ملتے ہیں اور یاد کرتے ہی کہ ہم اس کمائی کو جو اس کوٹھری میں لگا آئے یہاں لاتے تو کیا لطف ہوتا ہم بھی اوروں کی طرح چین کرتے اور مزے کی زندگی بسر کرتے، کوئی ایسی صورت ہو کہ جو روپیہ وہاں لگایا تھا آدھا تہائی ہی مل جاوے تو وہاں سے لے آویں مگر فرض کرلیا جاوے کہ اس سرائے کے احاطے میں ایسا دروازہ ہے کہ جب وہاں سے کوئی چل دیتا ہے تو اس دروازہ سے نکل تو جاتا ہے مگر لوٹ کر پھر اس میں نہیں جاسکتا، اب کوئی صورت نہیں کہ وہاں پہنچیں۔ بس اب ایک ایک گھڑی کاٹنا مشکل ہے بازار کی دکانوں پر نظر اٹھاتے ہیں اور حسرت کے ساتھ نیچے کرلیتے ہیں اور ایسی ندامت ہے جس کا کچھ تدارک نہیں ہوسکتا۔ حضرت قیامت میں یہی ہوگا قیامت ایک بازار ہے جس کو شیخ سعدی کہتے ہیں:

قیامت کہ بازار مینو نہند　　منازل باعمال نیکو دہند(۱)

اس بازار میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جو کہیں بھی نہیں ہوسکتیں اور ان کا خیال بھی کسی کو نہیں آسکتا ان کے خریدنے کے لیے وہاں کے سکہ کی ضرورت ہوگی وہاں کا سکہ اعمال ہے جب وہاں پہنچے تو یہ سکہ ہاتھ میں نہیں ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر جو کچھ حسرت ہوگی وہ ظاہر ہے۔

اہل اللہ کا تقویٰ طہارت

حسرت پر ایک مفید حکایت یاد آئی وہ سب کے مذاق کے مناسب تو نہیں ہے مگر نتیجہ خیز ضرور ہے اس سے اللہ کے بندوں کا تقویٰ طہارت معلوم ہوتا ہے اور اس کا پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کی نظر کس درجہ دقیق (۲) ہوتی ہے۔ وہ حکایت یہ ہے کہ ایک

(۱) ''قیامت کے دن بازار لگائیں گے، نیک اعمال کے مطابق مراتب عطا کریں گے'' (۲) گہری۔

بزرگ کا لڑکا مدرسہ میں پڑھتا تھا، یہ بزرگ ایک دفعہ اس کے پاس گئے وہ اس وقت حجرہ میں نہ تھا انہوں نے دیکھا کہ حجرہ میں ایک روٹی رکھی ہے اس کی ہیئت سے سمجھے کہ یہ روٹی بازار کی ہے خیر بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد لڑکا آیا اور سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا اور کہا کہ میں تجھ سے نہ بولوں گا تو روٹی بازار کی کھاتا ہے اس نے کہا حضرت یہ روٹی میری نہیں ہے میرا ایک اور شریک ہے جو اس حجرہ میں رہتا ہے اس کی ہے کہا تو تو ایسے کی صحبت میں رہتا ہے جو روٹی بازار کی کھاتا ہے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے تو اس قابل نہیں کہ تجھ سے کلام کیا جائے (یہ کوئی شرعی فتویٰ نہیں ہے کبھی کوئی حکم لگادے کہ بازار کی روٹی کھانا ناجائز ہے ایک اہل دل کا حال ہے) اور اس میں انہوں نے ایک ایسی باریک بات فرمائی تھی جس تک ہم جیسوں کی نظر نہیں پہنچتی وہ یہ کہ بازار میں جو روٹی بکتی ہے اس کے سامنے سے بہت لوگ گزرتے ہیں جو بھوکے ہوتے ہیں اور اس کو خرید نہیں سکتے اس لیے حسرت سے اس پر نظر کرتے ہیں جس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے تو جو چیز سبب بنے مساکین کی دل آزاری کا اس میں برکت نہیں رہتی۔ اس وجہ سے اس کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ کس درجہ باریک بات ہے واقعی یہ علوم بجز اہل اللہ کے کسی کو میسر نہیں ہوتے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ فتویٰ نہیں ہے کہ بازار کی روٹی کھانا منع ہے مگر حتی الامکان اگر اس کا خیال رکھا جاوے کہ بازار کی چیز نہ کھاویں گھر بنا کر کھاویں تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ حکایت حسرت کے لفظ پر یاد آگئی تھی اس حکایت میں اہل اللہ کی ہمدردی اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اہل اللہ کی باریک بینی سے متعلق حکایات

اس پر ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ نے ایک عورت سے نکاح کا پیغام دیا مگر بات طے نہ ہوئی اور ان سے نکاح نہ ہوا بلکہ ایک اور جگہ اس عورت کا نکاح ہوگیا تو ان بزرگ نے آکر اس دوسرے شوہر کے آگے ہاتھ جوڑے کہ مجھ سے بڑا قصور ہوا اس نے کہا خیر تو ہے کیا ہوا کہا قصور یہ ہے کہ میں نے ایسی عورت کو پیغام دیا جو

علم الٰہی میں آپ کے لیے مقدر تھی اس طرح سے وہ آپ کی بیوی تھی۔ مجھ سے یہ گستاخی ہوئی کہ اس کا ارادہ کیا یہ بات ظاہراً ایک بے عقلی کی سی معلوم ہوتی ہے ایک عورت کو مختلف آدمی پیغام دیا ہی کرتے ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پیغام دینا برا تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس دوسرے شخص کو جس سے کہ اس کا اب نکاح ہوا ہے اس عورت سے پیغام دینے میں تو کچھ برائی ہو بھی سکتی ہے کیونکہ پہلے والے کا حق گو نہ ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ ظاہر بینوں کی بات ہے ان بزرگ پر خوف خدا اور حقیقت شناسی غالب تھی انہوں نے امر مقدر کو ایسا ہی سمجھا جیسے محقق کو یعنی جیسے نکاح شدہ عورت کو پیغام دینا اور اس کا برا ہونا ظاہر ہے اس واسطے اس سے معافی مانگی۔ اس قصہ میں یہ نظر ہوتی ہے اہل اللہ کی، ان کو علوم القا ہوتے ہیں اور دل ان کا اتنی خفیف بات کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ مصرع

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے

یہ انہی کے حالات ہیں انہی کو اتنا علم تھا اور انہی کو اتنی ہمت بھی تھی اور آج کل کیا منہ ہے کہ ان کی ریس کی جاوے تو اتنی ہمت کہاں اس لیے آج کل بعض لوگوں کو بوجہ ہمت عمل نہ ہونے کے زیادہ علم بھی مضر ہوتا ہے کیونکہ ان کا عمل علم کے برابر نہیں ہوتا۔ لہٰذا بجائے اصلاح کے اور الٹا تکبر اور خود بینی اور دعویٰ تقدس (۱) پیدا ہوجاتا ہے۔

اللہ والے ہمیشہ حلم سے کام لیتے ہیں

اہل اللہ کی باریک بینی پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک بزرگ کی بی بی تیز مزاج تھی، بہت برا بھلا کہتی اور وہ ہمیشہ حلم سے کام لیتے۔ ایسے بزرگ کی ایسی بی بی اس تیز مزاجی پر حکایت کے بیچ میں ایک اور حکایت یاد آئی کہ لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے ان کی بی بی نہایت بری اور بدمزاج تھی۔ ایک دن انہوں نے جھلا کر کہا تو بڑی کم بخت ہے کہ باوجود ایسے سامان اصلاح کے تیری اصلاح نہ ہوئی اس نے کہا میاں کم بخت تم ہوگے کہ تم کو ایسی بی بی ملی میں تو بڑی خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسا خاوند ملا۔ اس پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک ایسے ہی میاں بی بی تھے کہ میاں خوبصورت تھے اور بی بی بدصورت تھی، میاں ظریف بھی تھے ایک دن بولے کہ ہم دونوں جنتی ہیں کیونکہ میں جب تمہیں

(۱) نیکی کا دعویٰ

دیکھتا ہوں صبر کرتا ہوں اور تو جب مجھے دیکھتی ہو تو شکر کرتی ہو اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں حکایتیں اس حکایت کے بیچ میں آ گئی تھیں وہ اصل حکایت یہ تھی کہ ان بزرگ کی بیوی بہت تیز مزاج تھیں اکثر اوقات بیچارے تنگ ہوا کرتے تھے ایک دفعہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کو بہت تکلیف ہوتی ہے اس کو طلاق دیدیجئے، فرمایا بھائی دل میں تو بہت دفعہ آیا لیکن یہ سوچا کہ میں نے اس کو طلاق دے دی تو شاید یہ کسی سے نکاح کرے وہ دوسرا اس بلا میں پھنسے گا بجائے اس کے کہ دوسرے کو تکلیف ہو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہی اس تکلیف میں مبتلا رہوں اور دوسروں کے لیے سپر رہوں (۱)، یہ ہے باریک بینی اور یہ ہیں اخلاق جن کو حقیقی اخلاق کہنا چاہیے۔

آج کل لوگوں کے اخلاق اور تواضع

آج کل لوگ اخلاق اور تمدن اور تہذیب کے بڑے مدعی ہیں۔ غور کر لیجئے کہ یہ اخلاق ہیں یا آج کل کے اخلاق، آج کل اخلاق کہتے ہیں نرم بولنے کو اور بار بار جھکنے کو اور آداب اور سلام۔

اخلاق پر ایک قصہ یاد آیا ایک گاڑی بان اپنی حکایت بیان کرتا تھا کہ ایک مولوی صاحب سے کریما پڑھا کرتا تھا اس میں تواضع کا بیان آیا۔ مولوی صاحب نے سبق پڑھا کر اگلے دن سنا اور پوچھا کہ بتلا تو تواضع کس کو کہتے ہیں، کہا جی کوئی آیا اس کو حقہ دے دیا، پان کھلا دیا، بٹھالیا، انہوں نے خوب پیٹا، اس قصہ کو سن کر تو لوگ ہنستے ہیں کیونکہ ایک جاہل اور گنوار کا قصہ ہے لیکن آج کل کے تعلیم یافتوں کے اخلاق اور تواضع دیکھئے تو ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں جس کو اس گنوار نے تواضع کہا تھا جھکتے بہت ہیں اور نرمی سے بولتے ہیں لیکن دل میں تکبر بھرا ہوا ہے اور جس کے سامنے جھکتے ہیں اور نرم بولتے ہیں اس کو اپنے سامنے سمجھتے بھی کچھ نہیں، بڑا اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں حالانکہ تواضع کے معنی فروتنی اور انکسار کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور اخلاق مع الخلق کی حقیقت ہے دوسرے کی رعایت اپنے آپ سے زیادہ کرنا۔

---

(۱) ڈھال

اب دیکھ لیجئے کہ یہ دونوں چیزیں آج کل کے لوگوں میں کہاں تک موجود ہیں، بس جو کچھ ہے زبانی جمع خرچ ہے میں کہتا ہوں کہ آج کل کے جو کچھ اخلاق ہیں وہ صورت ہے اخلاق کی اور حقیقت کا اس میں پتہ بھی نہیں حقیقی اخلاق وہ ہیں جو ان بزرگوں میں تھے جن کی حکایتیں آپ نے سنیں، ظاہر میں وہ لوگ اتنے نرم اور جھکنے والے نہ تھے مگر اس کا اہتمام رکھتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے چاہے اپنے آپ کو تکلیف اٹھانا پڑے مگر آج کل مذاق ایسا بگڑا ہے کہ اگر حقیقی اخلاق کسی میں ہوں تو وہ نظر میں نہیں آتے، لوگ بزرگوں کے یہاں جاتے ہیں اور ان کی سادگی اور بے تصنعی (۱) دیکھ کر خوش نہیں ہوتے اور شکایت کرتے ہیں کہ وہ تو ایسے خشک اور مغرور ہیں کہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے اور جو ان کے ساتھ چار گھنٹہ چڑبڑ (۲) کرتا رہے اور خوب آؤ بھگت کرے وہ خلیق (۳) مانا جاتا ہے چاہے یہ سب کچھ صرف ظاہر داری اور تصنع (۴) اور بناوت ہی ہو اور کام کی بات ایک بھی نہ ہو اور وقت پر ذرا بھی کام نہ آوے ایسے آدمیوں کی طرف بڑا اعتقاد ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک خلق (۵) کے معنی وہی ہوئے جو اس گنوار نے کہے تھے کہ حقہ پلا دینا اور پلان کھلا دینا۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (اخلاق اور ہی چیز ہیں)۔

---

(۱) اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ ان میں بناوٹ ودکھاوا نہیں ہے (۲) فضول گفتگو (۳) بااخلاق (۴) دکھاوا (۵) اچھے اخلاق کا وہی مطلب ہے۔

أخبار الجامعة

ماہ اپریل 2023ء

❁ **21 مارچ:** ملک پاکستان اور خاص کر جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے لیے بے حد اعزاز کی بات ہے کہ مہتمم جامعہ ہٰذا حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی نے دبئی میں منعقد ہونے والے انٹرنیشنل مسابقہ حفظ مع التجوید میں بحیثیت جج شرکت فرمائی جہاں دنیا بھر کے 68 ممالک سے منتخب ہوکر حفاظ کرام شریک مسابقہ ہوئے۔آپ کے ساتھ دیگر ججمنٹ فرمانے والے معزز مشائخ قراء کرام یہ ہیں:

❁ متحدہ عرب امارات سے فضیلۃ الشیخ الدکتور سالم محمد الدّوبی۔

❁ سعودی عرب سے فضیلۃ الشیخ الدکتور احمد بن حمود بن حمید الرویشی رئیس لجنۃ التحکیم

❁ مصر سے فضیلۃ الشیخ الدکتور جمال فاروق جبریل محمود

❁ بنگلہ دیش سے فضیلۃ الشیخ شعیب محمد۔اس مسابقہ میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے والے خوش نصیب حافظ قرآن کریم کا تعلق بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) سے تھا۔

اس سفر میں حضرت مہتمم صاحب (مدظلہ) نے دبئی کی تاریخی مساجد میں سے جامع مسجد شارقہ دوسری جامع مسجد ابوظبی میں نماز جمعہ میں شرکت فرمائی اور قرآنِ کریم کے ایک بہت بڑے تاریخی مرکز مجمع القرآن کا معائنہ بھی کیا جہاں رئیسِ مرکز، الشیخ شیرزاد نے پہلی صدی سے 15 ویں صدی تک علوم القرآن پر کئے گئے تاریخی کام پر بریفنگ دی اس مرکز مجمع القرآن میں دنیاء اسلام کے نامور مشائخ قراء کرام کی آوازوں میں قرآن کریم کی تلاوتیں محفوظ ہیں جس میں حضرت مہتمم صاحب کی تلاوتوں کا مجموعہ بھی موجود ہے حضرت مہتمم صاحب نے خود اس کا مشاہدہ بھی فرمایا۔

مرکز ابوحنیفہ کا معائنہ بھی کیا جس کو جامعہ کے فاضل قاری محمد یار چلا رہے ہیں جہاں سینکڑوں طلباء زیر تعلیم ہیں۔اہالیانِ جامعہ ہٰذا حضرت کی بخیر وعافیت وطن واپسی پر اللہ جل جلالہ کے شکر گزار ہیں اور دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ تادیر بصحت وایمان خدمتِ قرآن کریم کی سعادت عطاء فرماتے رہیں۔

رمضان المبارک میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے سالانہ امتحان کے نتائج کا اعلان کیا ہے اس امتحان میں جامعہ ہٰذا کے کل 523 طلباء کا نتیجہ درج ذیل ہے۔

نام درجہ	تعداد	کامیاب	نام درجہ	تعداد	کامیاب
درجہ حفظ	34	34	درجہ تجوید للحفاظ	113	113
درجہ تجوید للعلماء	1	1	درجہ عامہ ثالثہ	75	70
درجہ خاصہ ثانیہ	69	47	درجہ عالیہ اولیٰ	53	48
درجہ عالیہ ثانیہ	55	44	درجہ موقوف علیہ	52	50
دورۂ حدیث	37	36	تخصص فی القراءات	3	3

یہ 523 طلباء صرف وفاق المدارس کے امتحان میں شریک ہونے والوں کی تعداد تھی جبکہ ابتدائی درجات میں درسِ نظامی وتجوید کے ساتھ ساتھ سکول کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بورڈ کے امتحانات دے رہے ہیں:

کلاس نہم کے 96، دہم کے 65، ایف اے پارٹ ون 93 ایف اے پارٹ ٹو 77

اِس طرح مجموعی تعداد حفظ وناظرہ، تجوید درس نظامی سکول اور تخصص فی القراءت کے تین طلباء سمیت تمام ملاکرز زیر تعلیم طلباء کی کل تعداد 1637 ہے۔

الحمدللہ، اللہ کے فضل وکرم سے جامعہ کے نتائج وثمرات اطمینان بخش ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازیں۔

❁ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جامعہ ہٰذا میں حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ سابق مہتمم جامعہ ہٰذا کے مرتب کردہ نظام کے مطابق معتکفین 24 گھنٹے عبادات کے ساتھ اصلاح وتربیت اور تعلیم قرآن مع التجوید حاصل کرتے ہیں۔ حضرت مولانا ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی صاحب مدظلہ نائب مہتمم جامعہ ہٰذا بعد نماز ظہر اصلاحی بیان فرماتے ہیں۔ الحمد للہ جامعہ کی طرف سے سحرو افطار کی سہولت بھی مفت فراہم کی جاتی ہے۔